تعلیم الایمان

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. (الزمر:٦٧)

اوران لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔

صفاتِ الٰہی

المتکبر والکبیر۔ اللطیف والخبیر

میں غور وفکر کا نایاب طریقہ

مؤلف

عبداللہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی

مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری، مفتی محمد شعیب مظاہری

ناشر

عظیم بک ڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کے چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ صفاتِ الٰہی المتکبر والکبیر، اللطیف والخبیر میں غور وفکر کا نایاب طریقہ

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری 9849085328
(مفسر قرآن ومصنف: ''آسان ترجمہ وتفسیر قرآن'')

مفتی محمد شعیب مظاہری 9640213661
(خطیب مسجد وزیر النساء، احمد نگر)

سنہ طباعت:۔ ۲۰۲۲ء مطابق ۱۴۴۳ھ

تعداد اشاعت:۔ 300

کمپیوٹر کتابت:۔ محمد کلیم الدین سلمان قاسمی۔9963770669

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔9997177817

اس کتاب کے علاوہ دوسرے اسماءِ الٰہی میں غور وفکر کے لئے ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے پڑھئے اور ایمان بالکتب، ایمان بالرسالۃ، ایمان بالآخرۃ، ایمان بالقدر (تقدیر) پر شعوری اور عقلی اعتبار سے ایمان پیدا کرنے کیلئے ''ایمانِ مفصل کو سمجھانے کا طریقہ'' پڑھئے، اس کے علاوہ اولاد کو مسلمان بنانے اور لڑکیوں کو شادی سے پہلے باشعور بنانے والی دونوں کتابیں ضرور پڑھئے اور اپنے خاندان میں تحفہ دے کر دعوتِ دین کا حق ادا کیجئے۔
عظیم بکڈپو دیوبند یوپی سے نصف قیمت پر کتابیں حاصل کر سکتے ہیں۔

مدارسِ اسلامیہ کو ان کی خواہش پر ایک نسخہ تحفۃً دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی صفات: اَلْمُتَکَبِّرُ۔ اَلْکَبِیْرُ

بڑائی و بزرگی والا۔ سب سے بڑا۔

وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ o (الحج:۶۲) اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بھی اونچی رتبہ بھی بڑا ہے۔

اَلْمُتَكَبِّرُ . (الحشر:۲۳) (اور اللہ وہی ہے جو) بڑائی کا مالک ہے۔

متکبر: یہ لفظ مخلوق کے لئے بولا جاتا ہے تو قابل مذمت اور نفرت کے لئے ہوتا ہے، مخلوق میں تکبر کرنے والا اپنے نفس کے غرور و گھمنڈ میں بڑائی کا اظہار کرتا ہے، جو حقیقت میں بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے یا بڑائی ظاہر کرے وہ متکبر کہلاتا ہے، مخلوقات میں سب سے پہلا متکبر شیطان ہے، بے شعور انسان اُسی کی نقل کر کے متکبر بنتے ہیں، اپنے آپ کو زبردستی بڑا سمجھتے ہیں، دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھنا یہ مخلوق کا تکبر ہے، جو گناہ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تکبر، بڑائی و کبریائی میری چادر ہے، جو اُسے مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اُسے جہنم میں ڈال دوں گا۔

اس کے برعکس لفظ متکبر اور کبیر اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جائے تو وہی اس کا مستحق اور لائق ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت میں سب سے زیادہ شان، بزرگی، عزت، تعظیم، محبت اور بندگی کے لائق ہے، ہر چیز اس کے مقابلے حقیر اور بے حیثیت ہے، نہ کوئی اس کے برابر ہے اور نہ کوئی اس سے بڑا ہے، وہی سب سے اول ہے، اس کی قدرت اور خدائی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، وہی اکیلا کائنات کا شہنشاہ اور بادشاہ ہے، اس جیسی صفات حسنہ و صفاتِ کمالیہ اور قدرت و قوت کسی میں نہیں، نہ اس جیسا پہلے کوئی تھا نہ ہے اور نہ آئندہ ہوگا، اس میں کسی قسم کا عیب، نقص اور مجبوری و محتاجی نہیں۔

اس کی کوئی مثل اور مثال کسی میں نہیں، ساری کائنات، کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کی ملکیت، اسی کی مخلوق اور غلام ہے، اور اسی کی عبادت، اطاعت، تسبیح، ذکر، بڑائی اور تعریف دن رات بیان کرتی ہے، اسی لئے وہی اکبر، کبیر، متکبر، بزرگی اور بڑائی و شان والا ہے، اس

کی سلطنت میں کوئی دوسرا شریک نہیں، وہ کسی کی مدد اور سہارے کا محتاج نہیں، وہ ساری مخلوقات کی ہر لمحہ ہر ضرورت کو ہر عمر میں اکیلا پوری کرتا ہے، وہ حیّ و قیوم ہونے کی وجہ سے ساری مخلوقات وجود میں آئیں اور قیام کی ہوئی ہیں، ساری مخلوقات اسی کی محتاج ہیں، اس لئے عقلمندی اور سچائی یہ ہے کہ صرف وہی الکبیر اور المتکبر ہے، یہ دونوں صفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، کسی مخلوق کو ان کی نقل کرنے کی اجازت نہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ جب دنیا میں کسی کو علم، ہنر، اقتدار، حکومت، دولت، سرداری، بادشاہت، ٹکنالوجی، عمدہ عقل وفہم، حسن وخوبصورتی، عزت، عہدہ اور مقام ومرتبہ عطا فرماتا ہے، تو بیوقوف، نادان، گمراہ لوگ نفس کی اطاعت کرنے والے غرور وتکبر میں مبتلا ہوکر اللہ تعالیٰ کی بڑائی نہ مان کر اللہ کے مدّ مقابل تکبر کرکے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو گرا ہوا، حقیر اور ذلیل و بے حیثیت سمجھتے ہیں، چنانچہ انسانوں کی زندگی گواہ ہے کہ نمرود، فرعون، ہامان، قارون، شداد، ابولہب اور ابوجہل نے اپنی وقتی اور عارضی سرداری، حکمرانی اور دولت کے غرور وتکبر میں، اور قوم نوح، قوم لوط، قومِ عاد وثمود، قوم شعیب، بنی اسرائیل اور یہود ونصاریٰ نے حسد، جلن، بغض وعداوت میں حق سے منہ موڑ کر غرور وتکبر میں مبتلا ہوئے اور پیغمبروں کو حقیر، معمولی، ادنیٰ جانا اور اللہ کی بڑائی ماننے کے لئے تیار نہیں تھے جس کی وجہ سے معمولی چیزوں کے ذریعہ ذلت کے ساتھ ہلاک کردئے گئے، ابرہہ کو اپنی طاقت وقوت پر ناز تھا، اللہ نے اس کے غرور کو ابابیل اور معمولی کنکریوں کے ذریعہ تہس نہس کردیا، ابولہب وابوجہل کے غرور وتکبر پر انہیں ذلت کی موت دی گئی، اور قیامت تک لوگ ان تمام لوگوں کو بطورِ عبرت ذلت کے ساتھ یاد رکھیں گے۔

وہ لوگ جو تکبر وغرور میں مبتلا ہوتے ہیں اور زبردستی صرف اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں ان کو اپنی اصلیت وحیثیت یاد نہیں رہتی، کہ وہ ماں کے پیٹ میں ایک حقیر وناپاک پانی کے قطرے سے اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق سے پیدا کئے گئے، پھر حیض کا ناپاک خون پی کر ماں کے پیٹ میں نو مہینے مجبور ومحتاج بن کر زندہ رہے، انہیں سوچنا چاہئے کہ وہ ماں کے

پیٹ سے دنیا میں کس مقام سے باہر آئے، پھر بچپن میں بالکل مجبور ومحتاج تھے، پیدا ہونے سے پہلے ان کا دنیا میں کوئی نام ونشان اور ذکر تک نہیں تھا، وہ پیدا ہونے سے مرنے تک ہوا، پانی، غذاء اور بہت سی چیزوں کے محتاج ہی محتاج رہیں گے۔

پانی پی کر غذائیں کھا کر بدبودار بول وبراز پیٹ میں لئے پھرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کے جسم پر چمڑی نہ رکھتا تو کوئی ان کے پیٹ کی غلاظت دیکھ کر قریب بھی نہ آتا، بچھو کاٹے تو برداشت نہیں کر سکتے، سانپ کاٹے تو موت کے حوالے ہو جاتے ہیں، مکھی و مچھر اگر ستائے تو ان سے بچ نہیں سکتے، ملیریا اور ہیضہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ناک، کان اور آنکھ میں میل رکھتے ہیں، معمولی پھوڑا پھنسی ہو جائے یا بخار چڑھ جائے تو ان کے درد و تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے، اگر بول و براز وقت پر خود خارج نہ ہو تو باہر نہیں نکال سکتے، بوڑھاپے میں اپاہج ومعذور اور کمزور ہو کر ساری یادداشت کھو دیتے ہیں، اور موت کے بعد دنیا میں ان کا نام ونشان باقی نہیں رہتا، وہ اگر اپنی بڑائی، گھمنڈ اور غرور وتکبر کریں تو آخر کس بات پر بڑائی اور شان جتاتے ہیں؟ وہ اتنے مجبور ومحتاج ہوتے ہوئے کیسے غرور وتکبر کر سکتے ہیں؟ ان کو اپنی اصلیت، حیثیت اور حقیقت یاد رکھنی چاہئے۔

ان کو جتنی بھی نعمتیں ملتی ہیں وہ ان کی اپنی ذاتی نہیں ہوتیں، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہوتی ہیں، جو ان سے کسی بھی لمحہ چھینی جا سکتی ہیں، اس لئے عقلمند انسان اس طرح اپنی حیثیت کو سمجھ کر اللہ کی بڑائی اور کبریائی کو تسلیم کرتا ہے اور غرور وتکبر سے دور رہ کر اس کا فرمانبردار اور اطاعت گذار بندہ بنا رہتا ہے۔

حقیقت میں تکبر اور بڑائی اسی کو زیب دیتی ہے اور وہی تکبر اور بڑائی کا حق رکھتا ہے جو کسی بھی چیز کو بغیر اسباب کے کُن کہہ کر وجود میں لائے، اور فنا ہونے والی چیز کو اپنی صفت المعید سے دوبارہ اعضاء کے ساتھ زندہ کرے اور اعضاء سے بات کروادے، جو کسی بھی لمحہ میں انسانی بادشاہوں کو فقیر بنادے، اس کی حکومت چھین کر دوسروں کو دیدے، جو دولتمند کی دولت چھین کر مفلس بنادے، اس کی دولت کے خزانوں کو ذلت کے ساتھ

زمین میں دھنسا دے، بڑائی اور تکبر اسی کو زیب دیتا ہے جو طاقت، فوج، ہتھیار، اقتدار کے بھروسہ پر انا ربکم الاعلیٰ کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ کو بڑا نہ مانے اُسے بے بس اور مجبور بنا کر بغیر کسی لڑائی و جنگ کے پانی میں ڈبو دے، اس کو اس کی فوج کو موت کے حوالے کر دے، یا غرور و تکبر توڑنے کے لئے دماغ میں مچھر داخل کر کے جوتے سے پٹائی کروا کر بادشاہی پر ذلیل کر دے، بڑائی، تکبر اور کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے جو پانی پر راستہ بنا کر پانی کو دیواروں کی طرح کھڑا کر دے یا پتھر کی چٹان سے پانی کے بارہ چشمے پیدا کر دے، بغیر زراعت کے من وسلویٰ عطا کرے، برسوں ریگستانی میدان میں زندہ رکھے یا پھر ریگستان کے خشک علاقے میں زم زم جیسا کنواں جاری کر کے لاکھوں انسانوں کو ہر سال عطا کر کے برسوں سے اپنی قدرت کا اظہار کرے، بڑائی اور کبریائی اور تکبر اسی کو زیب دیتا ہے جہاں بغیر درختوں اور جنگلوں کے انسان کو ریگستان جسے مکہ کے علاقہ میں آباد کر کے آکسیجن کی کمی نہ ہونے دے اور ان کی سانس سے نکلنے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ کو بغیر درختوں اور جنگلوں کے پھر آکسیجن بنا دے، کبھی سانس کی تکلیف نہ ہونے دے اور بغیر جنگلات کے زبردست بارش برسا دے، بغیر زراعت کے دنیا بھر کی ترکاریاں، میوے غلہ وناج وہاں سال بھر عطا کرے، ایسی ہی ذات کو بڑائی و کبریائی اور تکبر کا حق ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہی کبیر اور متکبر کہلانے کا حقدار ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا ایسی شان والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر سال لاکھوں انسانوں کو حج وعمرہ کے لئے مکہ میں لاتا ہے اور آج تک لاکھوں انسان جمع ہونے کے باوجود کوئی بھی آکسیجن کی کمی یا پانی کے نہ ملنے سے نہیں مرا، یہ وہ علاقہ ہے جہاں سوؤں میل تک پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے ہیں، جنگلات اور پانی کا کہیں نام و نشان نہیں، اطراف میں کہیں پر زراعت نہیں ہوتی، مگر اللہ الکبیر اپنی قدرت سے وہاں ہزاروں سال سے انسانوں کو بسا کر اپنی قدرت کا اظہار کر رہا ہے، بیشک اُسی کو تکبر کا حق ہے۔

بڑائی اور کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے جس نے حضرت نوحؑ اور ان کے چند مسلمان ساتھیوں اور چند منتخب جانوروں کو کشتی میں سوار کروا کر باقی تمام نافرمان قوم کو

آسمان وزمین کے پانی کو حکم دے کر طوفان میں غرق کر دیا، اور پھر عذاب ختم ہونے کے بعد زمین کو پورا پانی جذب کر لینے اور آسمان پر سے بادلوں کو چھٹ جانے کا حکم دے دیا، بڑائی اور تکبر اسی کو زیب دیتا ہے جو بغیر جنگ کے ابرہہ اور اس کی ۶۰/ ہزار کی فوج کو ابابیل جیسی چھوٹی مخلوق سے کنکریوں کو بم سے زیادہ طاقتور بنا کر اپنی صفت المنتقم (بدلہ لینے والا) سے تہس نہس کر دیا، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو اللہ کی بڑائی نہ ماننے پر پتھروں کی بارش برسا کر ہلاک کر دیا، طاقوت وقوت اور سائنس کے فن رکھنے والوں کو پہاڑوں میں بنائے گھروں سے ہوا کے طوفان کے ذریعہ نکال کر پٹک پٹک کر ختم کر دیا، بڑائی اور تکبر تو اسی کو زیب دیتا ہے جو دشمن کی جلائی آگ میں حضرت ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈک پیدا کر دی اور آگ اور چھری کی صلاحیت ختم کر دی، بیشک بڑائی اور تکبر وہی کر سکتا ہے جس کے حکم سے بغیر مشین کے ہوا طوفانی بن جائے اور شہروں کو اجاڑ دے، یا سمندر کا پانی سونامی بن کر زمین پر آجائے اور تباہی مچادے، یا پھر وہ اپنے حکم سے جہاں چاہے زمین کو زلزلے سے ہلا کر انسانی آبادیوں کو دفن کر دے یا سورج اور چاند کو بے نور کر دے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی بڑائی اور تکبر کرنے کے لائق نہیں، اس نے بندوں کو تعلیم دی کہ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ. ''اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔'' وہی اکیلا بڑائی کا مستحق ہے، چنانچہ ایمان والے ان دونوں صفات کے ذریعہ اللہ کی پہچان حاصل کر لینے کے بعد شعور کے ساتھ اللہ کی بڑائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اللہ اکبر کے ذریعہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کے دونوں کانوں میں اذان اور اقامت سے اللہ کی بڑائی داخل کرتے ہیں، پھر پانچ وقت کی نماز کی دعوت کے لئے اذان کے ذریعہ اور ہر نماز کی اقامت اور نماز کی ہر رکعت، قیام، رکوع اور سجدہ میں، فرض، واجب، سنت اور نفل تمام نمازوں میں تکبیرات کے ذریعہ اللہ کی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں، اذان سننے والے بھی اذان کے کلمات دوہرا کر اللہ کی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں، پھر تسبیحات واذکار میں اللہ کا نام پاکی، تعریف اور شکر ادا کرنے کے لئے استعمال کر کے اسی کی بڑائی بیان کرتے ہیں،

حج میں اللہ اکبر کے الفاظ کی گونج اور عیدین میں اللہ اکبر کا راستوں میں اعلان، میدانِ جہاد میں اللہ اکبر کا نعرہ، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کا وِرد، جانور ذبح کرتے وقت، نماز جنازہ میں اللہ اکبر کا اقرار کرتے ہیں، اچھی طرح سوچئے کہ اس طرح اللہ اکبر کا اقرار اتنی کثرت کے ساتھ چوبیس گھنٹے کیوں کروایا جارہا ہے؟ آخر اس اقرار کے ذریعہ ایمان والوں کو کیا تعلیم دی جارہی ہے؟

اس کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ انسان کلمہ پڑھنے اور ایمان قبول کرنے کے بعد دنیا کی کسی مخلوق کو بڑا نہ مانے اور نہ ان کی اطاقت وغلامی میں زندگی گذارے، بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بڑائی وکبریائی کا احساس پیدا کرکے وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے آپ کو اور مخلوقات کو چھوٹا سمجھے اور اللہ کو بڑا مان کر اس کی بڑائی میں زندگی گذارے اور اپنے قول وفعل سے دنیا کے تمام انسانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بڑائی و کبریائی کو ظاہر کرے، غیر مسلموں سے گفتگو کے وقت بھی ہمیشہ وہ اللہ کی بڑائی وتعریف اور شکر کے لئے انشاءاللہ، ماشاءاللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کے الفاظ کا استعمال کرے۔

مگر جب انسانوں کو ایمان کی تعلیم نہیں ملتی یا صحیح ایمان نہیں ملتا تو وہ دنیا میں کسی کے پاس حکومت واقتدار، سائنسی ترقی، دولت، ہنر، ڈگری والوں کو بہت بڑا طاقت وقوت کا یا خود کو ان چیزوں کے ملنے پر غرور وتکبر اور بڑائی کی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے، مخلوقات کو بڑا سمجھ کر ان سے ڈرتا ہے، ان کی اطاعت وغلامی کرتا ہے، انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ جس کو بڑا سمجھتا ہے اس کی اطاعت وغلامی کرتا ہے، اس کا ادب واحترام اور تعظیم کرتا ہے، اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی پرستش بھی کرتا ہے۔

مسلمانوں کی کثیر تعداد کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی صحیح پہچان نہ رکھنے اور ان دونوں صفات الکبیر اور المتکبر سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے باپ دادا یا معاشرے کی نقل میں اللہ کو بڑا مانتے ہیں اور مسجد میں باقاعدہ اذان، اقامت اور نماز میں اللہ اکبر کا بے شعوری سے بار بار اقرار بھی کرتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اللہ اکبر کے کلمات کو فضاؤں میں

پہنچاتے ہیں، مگر ان کے اعمال سے ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی و کبریائی کی حقیقت ان کے حلق سے نیچے سینوں میں داخل نہیں ہوئی اور وہ اللہ کی بڑائی سے واقف ہی نہیں کہ بار بار انہیں اللہ اکبر کا اقرار کیوں کروایا جارہا ہے؟ مسجد کی حد تک تو وہ اللہ کو بڑا مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ادب واحترام اور تعظیم کرتے ہیں مگر مسجد سے باہر نکلنے کے بعد زندگی کے بہت سارے کاموں میں وہ یا تو نفس کی بڑائی یا انسانوں کی بڑائی میں زندگی گذارتے ہیں، گویا عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں مسجد سے باہر وہ اللہ کی بڑائی صرف زبان سے بیان کرتے ہیں اور اعمال میں بڑائی نہیں مانتے ہیں، جبکہ وہ اپنے گھر، خاندان، قبیلہ اور حکومت میں کسی کو بڑا مانتے ہیں تو اس کے حکموں کے مطابق تمام کام انجام دیتے ہیں، اس سے ڈرتے اور اس کی نافرمانی کرنا نہیں چاہتے، عارضی حکومتوں کے قانون کی پابندی سختی سے کرتے ہیں۔

چنانچہ ایمان والوں کی شادی بیاہ کی محفلیں اللہ کی بڑائی کو ظاہر نہیں کرتیں، ان کی عورتوں کے لباس پہننے اور بے پردہ پھرنے میں ایمان کے باوجود اللہ کی بڑائی نظر نہیں آتی، وہ معمولات اور معاشرت میں جوڑے کی رقمیں، حرام دعوتیں اور جھوٹے مقدمات، رشوت، بے ایمانی اور دھوکہ وفریب کرکے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف چلتے ہیں، جائیداد اور طلاق پر جھوٹے مقدمات ڈال کر جھوٹ بولتے اور جھوٹی گواہی دیتے ہیں، اور بنی اسرائیل سے زیادہ گمراہی میں مبتلا ہوگئے ہیں، ان کے نبی نے زنا کو مشکل اور نکاح کو آسان بنانے کا حکم دیا تو یہ مہر، سامانِ جہیز اور فضول خرچی، جاہلانہ رسموں کے ذریعہ اسلام کی شکل بگاڑ کر اللہ کی بڑائی کے بجائے نفس کو خدا بنا کر عمل سے نفس کی بڑائی ظاہر کرتے ہیں، نفس کی خواہشات پر چلتے ہیں، اللہ کے بجائے نفس ان کا خدا بنا ہوا ہے۔

ان کے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی نظر نہیں آتی، وہ قرآن وحدیث کے خلاف عقائد رکھتے ہیں، یہود ونصاریٰ کا کلچر پسند کرتے ہیں، اکثریت گالی گلوچ، فحش کلامی، بے حیائی سے گفتگو کرتی ہے، خاص طور پر اکثر

مسلم ممالک میں حکومت ان کی پارلیمنٹ، ان کی عدالتیں، ان کے اپنے بنائے ہوئے قانون پر چلتے ہیں، اللہ کی بڑائی نظر نہیں آتی، وہ انسانوں کی بڑائی اور حکموں پر زندگی گذار رہے ہیں اور اکثر مسلم ممالک میں اللہ کے کلام پر صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، جمعہ، عیدین، نیم پردہ، داڑھی اور دفن ہونے کی حد تک ہی عمل کیا جاتا ہے، بڑی تعداد نماز ہی نہیں پڑھتی، حالانکہ ہر روز مسجدوں سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دی جاتی ہے اور اللہ کی بڑائی کا دن میں پانچ مرتبہ اعلان بھی کیا جاتا ہے، اکثر مسلم ممالک میں شراب، جوا، ریس، زنا، سود، رشوت، ناچ گانا بجانا، دھوکہ، فریب، فضول خرچی، بے پردگی، جھوٹ، غیبت، عربی وعجمی کا فرق، غرور وتکبر، سب چیزوں کا غلبہ ہے، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو بھول کر غیروں کی تقلید میں عورتوں کو کمپنیوں، دفاتر، ہوٹلوں، دُکانوں، مالوں، دواخانوں اور ہوائی جہازوں میں رکھا جاتا ہے، اور دولت' خواہشات نفسانی اور مٹی وگارے پر خرچ ہو رہی ہے، اللہ کو مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نڈر بنے ہوئے ہیں، اور اپنے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور نسلوں کو بے دین اور اللہ کا باغی بنا رہے ہیں، اللہ کی بڑائی کا بالکل ذہن نہیں ہے۔

اور بہت سے مسلمان اللہ کو صرف مسجد کی حد تک بڑا مان کر صرف زبان سے بڑا مانتے ہیں اور مخلوقات کو رکوع اور سجدہ کرتے ہیں، ان سے دعائیں، منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں اور قبروں کا طواف کرتے ہیں، قبروں میں مدفون لوگوں کو بھی حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہیں، مسائل ومصیبت میں اللہ سے رجوع ہونے کے بجائے ان سے رجوع ہوتے ہیں، کیا اس طرح اللہ کو بڑا ماننا صحیح ہے؟ ایک طرف ہر روز اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتے ہیں، پھر بندوں سے مانگتے ہیں، کیا یہ اللہ کے ساتھ وفاداری ہے؟

ہماری حالت کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے! ایک مسلمان تاجر نے چینی تاجر سے مل کر کہا کہ مجھے کچھ لیبل چینی زبان کے فروخت کرو تاکہ میں اپنے مال پر انہیں لگا کر میڈ اِن چینا Made in China بتا کر بیچوں، وہ اس وقت کھانا کھا رہا تھا، کھانے میں سانپ کا گوشت تھا، اس کو کھانے پر بلایا، تو اس نے کہا تمہارا کھانا حلال نہیں ہے، اس نے

کہا: پھر تمہاری شریعت میں دھوکہ دے کر ہمارا لیبل لگانا جائز ہے؟

جب انسان دل میں کسی بات کو سچا جانتا اور مانتا ہے تو اس کا اظہار عمل سے بھی کرتا ہے، اگر انسان اللہ کو زبان کے ساتھ ساتھ دل سے بڑا مان لے تو زندگی کے تمام کاموں میں اسی کی بڑائی میں زندگی گذارتا ہے، اس کی بڑائی کے خلاف چلنا گناہ کبیرہ سمجھتا ہے، اپنے ہر عمل سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو ظاہر کرتا ہے، اگر ایسے انسان کو مفت میں شراب اور زنا پر مدعو کیا جائے اور مجبوری و چاہت میں زنا کی دعوت دی جائے اور جوّا اور ریس سے بغیر محنت کے آسانی سے دولت ملنے کا لالچ دیا جائے، سود، رشوت سے بغیر محنت کے مالِ حرام ملنے کے آسان مواقع ہوں اور شادی کے نام پر ناجائز دولت اور جوڑے کی رقمیں، سامانِ جہیز اور شاندار دعوتوں کے ذریعہ کلامِ الٰہی کے خلاف چلنے کی ترغیب دی جائے اور بے ایمانی، دھوکہ اور جھوٹ میں دنیا چمکتی دکھائی دے یا حلال کمائی میں تکلیف اور مصیبت کا خوف ہو اور دولت آنے کے بعد فضول خرچی، ناچ گانا' بجانا، بے پردگی، نیم عریانیت کے لئے نفس امّارہ زور پکڑے اور یہود و نصاریٰ کے کلچر میں دنیا کی جھوٹی عزت اور ترقی نظر آئے تو ایسا انسان ان تمام اعمالِ رذیلہ کو شیطان کا دھوکہ سمجھ کر نفرت کرے گا اور غیر اسلامی طریقوں، مغربی تہذیب اور انسانی قانون میں ذلت و ناکامی تصور کر کے اللہ کے قانون اور رسول کی اتباع میں چلنے کو عزت و کامیابی سمجھے گا، مجاہدے والے اعمال اختیار کر کے عمل سے بھی اللہ کی بڑائی ظاہر کرے گا اور اللہ کو سب سے بڑا ماننے کے بعد کسی بھی مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے، سجدہ کرنے، دعائیں مانگنے، منتیں مانگنے کو گمراہی و شرک سمجھے گا۔

اگر ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد کسی انسان کی زندگی توحید اور شرک کا ملا جُلا مرکّبہ ہو اور وہ جان بوجھ کر اللہ کے احکام کے خلاف چلنے میں خوشی محسوس کر رہا ہو تو گویا اس نے اللہ کو حقیقت میں بڑا نہیں مانا اور نہ پہچانا۔

اسی طرح کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی اور خود اکیلے پورے شرکیہ ماحول میں کھڑے ہو کر اللہ کی بڑائی کا اعلان کیا تھا، صحابہ کرامؓ

نے بھی ایران اور دیگر ممالک کے بادشاہوں کے دربار میں نڈر بن کر دعوت دی، اور خود دنیا کے حالات میں مشکلات وتکالیف جھیل کر اللہ کی بڑائی کو ظاہر کرنے سے دور نہیں ہوئے، اللہ کی بڑائی کی خاطر جان ومال سب کچھ قربان کر دیا۔

اللہ کی بڑائی میں زندگی گذارنا ہو تو شرکیہ عقائد واعمال سے توبہ کر کے خالص صحابہؓ جیسا ایمان لانا ہوگا، بدعات وخرافات سے توبہ کر کے قرآن وسنت والے اعمال کا اظہار کرنا ہوگا، صرف جمعہ اور بے نمازی پن چھوڑ کر ہر روز پانچ وقت کی نماز ادا کرنا ہوگا، رمضان ختم ہونے کے بعد بھی اسلام کی پابندی کرنی ہوگی، بے پردگی اور مخلوط تعلیم کو چھوڑ کر مکمل پردہ اختیار کرنا ہوگا، مغربی کلچر کے مقابلہ میں سنتوں والی زندگی اختیار کرنی ہوگی، نکاح کی محفلوں کو کم وقت میں ادا کرنا، فضول خرچی، جاہلانہ رسوم ورواج سے پاک کر کے، مالِ حرام، جوڑے کی رقموں، سامانِ جہیز سے نفرت کرنا اور ترک کرنا ہوگا، رشوت، امانت میں خیانت، وعدہ خلافی، مکان، دُکان اور زمینات وجائیداد پر ناجائز قابض ہونے، قرض لیکر ڈبونے کو گناہِ کبیرہ تصور کر کے امانت دار ودیانت دار بننا ہوگا، شراب، زنا، سود، چوری، جوّا، ریس، گالی گلوج، ناچ گانا، فلمیں دیکھنا، گھروں میں ٹی وی پر ناچ گانے سننا، جھوٹ اور غیبت کو شیطانی اعمال سمجھ کر ان سے بچنا، مال کمانے اور خرچ کرنے میں اللہ کے احکام پر سختی سے عمل کرنا ہوگا، تبھی ایمان والے کی زندگی سے اللہ کی بڑائی ظاہر ہوگی۔

تکبر اور بڑائی پیدا ہونے پر اللہ والے کس طرح اس کو ختم کرتے ہیں؟

حضور ﷺ دعاء فرماتے تھے کہ اے اللہ! آپ کی عظمت کے شایانِ شان آپ کی غلامی کا ہم سے حق ادا نہ ہوسکا۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مشک پانی سے بھری ہوئی اپنی پشت پر رکھ کر کسی غریب مسلمان کے دروازے پر آواز دی کہ دروازہ کھولو بشتی (پانی بھرنے والے) پانی بھرے گا، لوگوں نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ خلیفۃ المسلمین ہیں، آپ کو بشتی بننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ ارشاد فرمایا کہ میرے نفس

میں خیال گذرا کہ عمرؓ کے پاس قیصر وکسریٰ کے وفود آتے ہیں، پس میں نے اپنے نفس کا یہ علاج کیا ہے، تاکہ نفس کا مزاج درست ہوجائے۔

ایک دن حضرت عمرؓ اچانک منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا: ایک زمانہ وہ تھا جب میں اپنی خالہ کی بکریاں چَرایا کرتا تھا، اور وہ اس کے عوض مجھے مٹھی بھر کھجوریں دیا کرتی تھیں، اور پھر منبر سے نیچے اُتر گئے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ آخر امیر المؤمنین نے ایسا کیوں کیا؟

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: امیر المؤمنین! آپ نے اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں حقیر کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرے نفس نے مجھے دل میں یہ احساس دلایا کہ تم امیر المؤمنین ہو، تم سے قابل، افضل اور بڑا کون ہوسکتا ہے، اس لئے میں نے چاہا کہ اُسے اس کی حقیقت بتادوں؛ تاکہ پھر اس قسم کا خیال بھی نہ آئے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ اسلام قبول کرنے کے بعد غریب صحابہؓ سے اسلام سیکھنے جایا کرتے تھے، منافقوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ آپ سردار ہیں، غریب اور غلام درجہ کے لوگوں سے دین کیوں سیکھ رہے ہیں؟ اپنے معیار کے لوگوں کے پاس جاکر اسلام کیوں نہیں سیکھتے؟ تو انہوں نے کہا: تکبر کو ختم کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے کہ اپنے نفس کو حقیر ہونے کا احساس دلاؤں، اگر میں اس طرح معیار قائم کروں گا تو دین کبھی نہیں سیکھ سکوں گا۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا کر لے جارہے تھے، یہ یہود کے بہت بڑے نامور عالم تھے، لوگوں نے کہا: اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ کسی مزدور سے اُٹھوا سکتے تھے، فرمایا: اس طرح میں اپنے اندر سے تکبر کو توڑتا ہوں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔

بڑائی وتکبر کو ختم کرنے کا علاج یہ ہے کہ غریب ومعمولی انسان کو سلام میں پہل کریں، اس کو عزت واحترام اور محبت دیں، ان کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں، ان سے مل جل کر رہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. (الزمر:٦٧) ”اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ

کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔''

ایمان والوں کو غرور اور تکبر سے محفوظ رہنے کے لئے حسب ذیل باتوں پر گہری نظر رکھنا ہوگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فتح مکہ نصیب ہوئی تو اس کامیابی پر سادگی اور عبدیت و بندگی کی شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، دنیا کے دوسرے فاتحین سے آپ کی شان وادا بالکل مختلف تھی، نہ کوئی اکڑ تھی، نہ فخر اور نہ کامیابی کے نعرے و چیخ و پکار تھی اور نہ جشن کا ماحول تھا، نہ کسی سے انتقام لینے کی دھمکیاں تھیں، نہ صحابہؓ میں اقتدار کے نشے میں بدمستیاں تھیں، صرف نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی صدا تھی، عجز وانکساری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک سواری پر اس طرح جھکا ہوا تھا کہ پیشانی مبارک اونٹنی کی کوہان کو چھو رہا تھا، اور آپ سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے، پھر آپؐ نے بیت اللہ میں نمازِ شکرانہ ادا کی، اسی طرح صحابہ کرامؓ کی تربیت بھی آپ نے ایسی کی تھی کہ جس کی وجہ سے وہ بھی کسی مقام پر فتح حاصل کرتے تو ہر قسم کی بدمستیوں سے دور رہتے، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے، کھیت اور درختوں کو نقصان نہیں پہنچاتے، بوڑھوں پر اور نہتّے لوگوں پر قتل وخون غارت گری نہیں کرتے، نہ عورتوں کی آبرو لوٹتے، یہ عبدیت و بندگی کا انداز اسی میں پیدا ہوسکتا ہے جو اپنے اوپر اللہ کی بڑائی و کبریائی کو مانتا ہے۔

☆ قرآن کریم نے قارون کا واقعہ پیش کیا کہ اُسے تھوڑی سی دولت مل گئی تو غرور و تکبر کا شکار ہوکر اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہوکر متکبر بن کر زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔

☆ عبداللہ بن اُبی جو صرف منافقین کا سردار تھا، بادشاہ نہ بننے کی وجہ سے اپنی سرداری کے گھمنڈ میں زندگی بھر منافق ہی بنا رہا، دل سے ایمان قبول نہیں کیا۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں دیکھا کہ آپ نے مجلس کے ساتھیوں کی طرف اپنے پاؤں پھیلائے

ہوں، اور نہ کبھی ایسا دیکھا کہ کسی نے آپؐ سے مصافحہ کیا ہو اور آپؐ نے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو، ہمیشہ اعلیٰ منصب پر فائز ہوتے ہوئے قدرت کے باوجود غلاموں اور خدمت گذاروں کو پسند فرماتے اور انہیں اپنے ساتھ رکھتے، ان کی عزت واحترام کرتے، کسی قوم کا بڑا آدمی آتا تو اپنا رومال بچھا کر اس پر بیٹھنے کا اصرار کرتے، یا اس کی طرف اپنا رومال پھینکتے۔

☆ حضرت زید بن حارثہؓ جو آپؐ کے غلام تھے' ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنی مانڈی پر ایک طرف بٹھاتے اور دوسری طرف حضرت حسنؓ کو بٹھاتے، حضرت اسامہؓ کا منہ ہاتھ دھلاتے، ان سے بہت محبت کرتے تھے، ہر شخص چاہتا تھا کہ آپؐ اس سے دیر تک گفتگو کریں۔

☆ دائی حضرت حلیمہ سعدیہؓ ایک مرتبہ آپؐ سے ملنے آئیں، تو احتراماً ان کے استقبال کے لئے فوراً آگے بڑھ کر چادر بچھائی اور اس پر بٹھایا، اسی طرح اپنی رضاعی بہن حضرت شیماؓ کو بھی اپنی پاک چادر پر عزت واحترام سے بٹھایا، حضرت شیماؓ اسلام قبول کر کے پھر اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار جاتے تو کمزوروں اور غلاموں کو تکلیف میں دیکھ کر آپ خود ان کے کام میں ہاتھ بٹاتے اور مدد فرماتے تھے۔

☆ ابن الاثیر اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں لکھتے ہیں کہ قاضی منذر بن سعید البلوطی' اندلس میں چیف جسٹس تھے، ایک دن وہ اندلس کے سلطان عبدالرحمٰن الناصر سے ملنے آئے، اس وقت سلطان زہرا محل کی ایک گنبد کے اندر بیٹھا تھا' جس کو سونے سے سجایا گیا تھا، اس کی تعمیر ایسی نایاب تھی کہ سابق میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں تھی، سلطان کے ساتھ دوسرے بڑے بڑے درباری موجود تھے، سلطان نے غرور وتکبر میں کہا: کیا کسی نے آج تک ایسی عمارت بنائی؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نے نہ کبھی ایسا دیکھا اور نہ ایسا سنا، تعریف میں مبالغہ کر کے اس کے تکبر میں اضافہ کیا۔

قاضی منذر سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے، سلطان نے یہ دیکھ کر ان سے کہا کہ آپ

کی کیا رائے ہے؟ قاضی منذر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور داڑھی پر گرنے لگے، انہوں نے کہا: خدا کی قسم! مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ شیطان آپ کو اس حد تک پہنچا دے گا، اور آپ کے اوپر اتنا زیادہ قابو پالے گا، حالانکہ اللہ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے اور آپ پر بہت فضل کیا ہے، اس کے باوجود شیطان آپ کو کافروں کے درجے میں پہنچا دے گا، سلطان عبدالرحمٰن الناصر نے کہا: دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیسے شیطان نے مجھ کو کافروں کے درجہ میں پہنچا دیا؟ قاضی منذر نے اس کا یہ جواب سن کر قرآن مجید کی سورۂ زخرف کی آیات ۳۲ تا ۳۵ کی تلاوت کر کے سنائی۔

آیات: وَرَحْمَتُ رَبِّکَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ o وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفاً مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ o وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَاباً وَسُرُراً عَلَيْهَا يَتَّكِؤُونَ o وَزُخْرُفاً وَإِن كُلُّ ذَلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِينَ o

ترجمہ:۔ اور تمہارے رب کی رحمت اس دولت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقے کے (یعنی کافر) ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمٰن کے منکر ہیں ہم ان کے لئے اُن کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی بنا دیتے، اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں، اور ان کے گھروں کے دروازے بھی، اور وہ تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ بلکہ انہیں سونا بنا دیتے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت تمہارے پروردگار کے نزدیک متقین کے لئے ہے۔

قاضی منذر بن سعید البلوطی کی حیثیت حکومت کے ایک ملازم کی تھی، اور عبدالرحمٰن الناصر کی حیثیت ایک بادشاہ کی، مگر جب قاضی منذر نے قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنایا تو بادشاہ کا سارا غرور و تکبر ختم ہو گیا، اور وہ اپنا سر فوراً جھکا کر رونے لگا، غم میں مبتلا ہو گیا، اس کی ساری خوشیاں، تکبر اور غرور اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہی ختم ہو گیا اور قاضی منذر سے کہا اللہ

آپ کو اس کا اجر دے، اور آپ جیسے لوگوں کو مسلمانوں میں پیدا کرے، ایمان والے غرور و تکبر سے ایسے ہی منہ پھیر لیتے ہیں اور اللہ کے سامنے اپنے کو بے حقیقت سمجھتے ہیں۔

دنیا میں مسلم حکمرانوں اور دولت مند لوگوں کی نگاہوں سے بیان کردہ قرآنی آیات پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہر زمانے میں مسلمان بادشاہوں نے عمدہ سے عمدہ تعمیرات کیں، مغلوں نے تاج محل، لال قلعہ کی مسجد میں سنگ مرمر کی دیواروں پر پھول پتیاں، بیل بوٹے کھدوا کر اس میں ہیرے جواہرات بھر کر آراستہ کیا تھا، جنہیں انگریز اُکھاڑ کر لے گئے، اب دیواروں میں ان کے صرف نشانات باقی رہ گئے ہیں، اور مغل بادشاہوں اور دوسرے مسلم بادشاہوں نے جہاں جہاں حکومت کی اسی طرح اونچی اونچی اور شاندار عمارتیں بنا کر ایک دوسرے پر فخر کئے۔

آج بھی عربوں کا ذہن اسی طرح کا بنا ہوا ہے، کہیں وہ سمندر کو کاٹ کر بستیاں آباد کر رہے ہیں، کہیں بینک بیالنس جمع کر کے اور بڑی بڑی اونچی عمارتیں بنا کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں، اور عوام بھی سونا چاندی یا عالیشان مکانات بنا کر اسی جہالت اور شیطان کے دھوکے میں مبتلا ہو گئے، دین کی تبلیغ کرنے کے بجائے اپنی بڑائی سماج میں قائم کرنے کے لئے نئی نئی موٹریں، بنگلے اور تجارت کی منڈیاں قائم کر رہے ہیں۔

اگر قرآن کی اِن مذکورہ آیات پر نظر رہے تو انسان کبھی بھی بڑائی، غرور و تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوتا، کسی کو تعلیم کا گھمنڈ ہے، کسی کو حسن و خوبصورتی کا گھمنڈ ہے، کسی کو حسب نسب کا گھمنڈ ہے، کسی کو طاقت کا اور کسی کو اقتدار کا گھمنڈ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان میں صرف اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا تصور زندگی کے ہر میدان میں رہا، وہ کبھی غرور و تکبر کا شکار نہیں ہوئے، پوری انسانیت میں ان کی عملی زندگی مثال اور نمونہ بنی، چنانچہ ان کو اقتدار ملا، لیکن وہ اقتدار پر رہ کر غرور و تکبر سے دور رہے، اور اپنے آپ کو عوام کے خادم سمجھتے تھے، زمین پر بڑائی ملی تو وہ اللہ کو بڑا اور اپنے کو چھوٹا سمجھتے تھے، کبھی انسانوں پر اپنی بڑائی نہیں جتائی، اور

عام انسانوں کی طرح اللہ کے قانون کے پابند رہے، اپنے آپ کو کبھی اللہ کی بڑائی اور قانون سے آزاد نہیں کیا، وہ اعلیٰ اختیارات کے مالک بنے لیکن کبھی بھی ان اختیارات کے تحت کسی پر ظلم نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو امیر المؤمنین اور پہلے خلیفہ تھے، ان کا حال یہ تھا کہ محلے کی غریب اور بیوہ عورتوں کے گھر کے جانوروں کا دودھ دوہتے، رات میں چھپ کر غریبوں کے گھر میں اناج خود اٹھا کر پہنچاتے، راتوں میں ضعیفوں کی خدمت کرتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو امیر المؤمنین وخلیفہ تھے، ان کا حال یہ تھا کہ غلاموں سے خدمت لینے کے بجائے خود حکومت کے کام کرتے، ذمہ داریاں اٹھاتے اور خود پوری کرتے تھے، یہاں تک کہ بیت المال کے اونٹ جو عوام کی ملکیت ہوتے ہیں اپنے جسم پر چغّہ باندھے ان کی مالش خود کرتے تھے، کسی نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ آپ غلاموں میں سے کسی غلام سے یہ کام لے لیتے، تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا: مجھ سے زیادہ غلام کون ہے؟ بیت المال کے اونٹ گم ہوجاتے تو خود شدید تیز دھوپ میں ڈھونڈ نکالتے، غریبوں کی مدد کرنے کے لئے آٹے اور چاول کے بورے غلام سے اٹھوانے کے بجائے خود پیٹھ پر لاد کر لیجاتے۔

انسان کو جب اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا احساس باقی نہیں رہتا تو وہ سب سے پہلے شیطان کے بہکاوے میں آکر آٹھ طریقوں سے تکبر اور گھمنڈ کی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جس کے پاس علم آتا ہے وہ سب سے پہلے اپنے سامنے کے تمام لوگوں اور ملنے جلنے والوں کو جاہل اور اَن پڑھ سمجھتا ہے اور صرف اپنے آپ کو صاحبِ علم سمجھتا ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ ایمان قبول کرنے سے پہلے جہالت وگمراہی میں علم سے دور غرور وتکبر میں مبتلا تھے، مگر جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کا علم حاصل کیا تو دنیا کے سب سے زیادہ علم وفہم رکھنے والے بنے، لیکن کبھی کسی کو گرا ہوا، جاہل اور کمتر نہیں سمجھا، نہ تکبر میں مبتلا ہوئے، ایک روایت میں ہے کہ ''جس نے کہا کہ

میں عالم ہوں، تو وہ جاہل ہے۔''

عام طور پر ہم سمجھتے ہیں تکبر صرف دولت مندوں میں آتا ہے، نہیں بلکہ ایمان سے دور ایک غریب، اَن پڑھ انسان بھی علم حاصل کر لیتا ہے تو سب کو جاہل سمجھ کر اپنے آپ کو سب سے بڑا جاننے والا سمجھتا ہے۔

تکبر کا دوسرا درجہ پیدا ہونے کا ذریعہ عبادت کی زیادتی ہے، شیطان عابدوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ میں تمام لوگوں کے مقابلے بڑا عبادت گذار ہوں، یہ سب ناکارہ اور اللہ کے باغی بنے ہوئے ہیں، صحابہ کرامؓ جہالت سے نکل کر ایمان قبول کر کے دنیا کے مثالی عبادت گذار انسان بنے، ان کی طرح کوئی بھی زاہد و عابد نہیں بن سکتا، لیکن پھر بھی انہوں نے نافرمان انسانوں کو ناکارہ نہیں سمجھا اور ان کو اپنے جیسا زاہد و عابد انسان بنانے کی محنت کی۔

لیکن بعد میں تربیت کے صحیح نہ ملنے کی وجہ سے ایک انسان نماز، روزہ اور حج کرنے کے بعد، یا ذکر و تسبیح کا پابند ہو جانے کے بعد یا تہجد کا پابند ہو جانے کے بعد دوسرے انسانوں کو سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کے باغی بنے ہوئے ہیں، اللہ کے چہیتے اور قریب نہیں ہیں، دولت رکھ کر یا صحت رکھ کر عبادت نہیں کرتے ہیں۔

تیسری چیز خاص طور پر دولت آجانے کے بعد شیطان انسان میں دولت کا نشہ پیدا کر دیتا ہے اور دولت مند اپنی دولت کے غرور و تکبر میں غریب، مفلس و نادار لوگوں کی عزت نہیں کرتے، ان کے ساتھ متکبرانہ انداز سے ملتے ہیں، ان کو سلام کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں، ان کو برابری کا درجہ نہیں دیتے، صحابہ کرامؓ جو غزوات کے بعد مالدار ہو چکے تھے، وہ دولت آنے کے باوجود غریب اور مفلس انسان کو برابری کا درجہ دیتے اور جو مسلمان غلامی سے آزاد ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے، ان کو ذلیل نہیں کرتے تھے، ان کو برابری کا درجہ دیتے تھے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر چڑھا کر اذان دلوائی، حضرت عمرؓ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ''سیدنا'' یعنی

اے ہمارے سردار کہہ کر پکارتے تھے۔

چوتھی چیز انسان میں حسب نسب کی وجہ سے غرور وتکبر پیدا ہوتا ہے، اسلام نے حسب نسب کے تصور کو مٹایا اور اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ شخص اسی کو بتلایا جو متقی و پرہیزگار ہو، چاہے وہ غریب اور ادنیٰ خاندان ہی کا کیوں نہ ہو، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ اور حضرت ام ایمنؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کے بیٹے اور دیگر بہت سارے صحابہؓ کو جیسے حضرت صہیب رومیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کو جو غلامی سے آزاد ہوئے یا ان کو آزاد کروا کر اپنے ساتھ بازو بٹھایا' ان سے مشورے لئے، ان کو صحابہ میں بڑے بڑے درجے دئے، مگر ہر زمانے میں بہت سے مسلمان تربیت کے نہ ملنے کی وجہ سے حسب نسب کے غرور میں مبتلا ہو گئے اور یہ بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے آپ کو اعلیٰ خاندان والے تصور کرتے رہے۔

پانچویں وجہ عہدہ' اقتدار اور کرسی ہے، یہ انسان کو غرور وتکبر میں مبتلا کر دیتے ہیں، صحابہ کرامؓ باوجود بڑے مقام ومرتبہ پر فائز ہونے کے کبھی غرور وتکبر والی زندگی نہیں گذاری اور نہ اپنے اقتدار وکرسی کا رعب لوگوں پر ڈالا، مگر بعد کے زمانے میں اکثر کمزور ایمان والے عہدہ وکرسی اور اقتدار کی وجہ سے ہمیشہ غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر اللہ کی بڑائی اور کبریائی کو بھولے رہے۔

چھٹویں وجہ تکبر کے پیدا ہونے کی دنیا میں کامیابی ہی کامیابی ملنا، چنانچہ جنگوں میں کامیابی، تجارت میں کامیابی، ہنر میں مہارت وکامیابی، جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہو وہاں کامیابی اور فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے، حالانکہ انسان کو درخت پر نگاہ رکھنا چاہئے، درخت پر پھل آتے ہیں اور پھلوں کے بڑھتے ہی ڈالیاں جھکنا شروع ہو جاتی ہیں، اس لئے کامیابی ملنے کے بعد کفار اور مشرکین ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے غرور وتکبر کا شکار ہو جاتے ہیں، مؤمن کامیابی کے ملنے پر اللہ کا شکر گذار بن کر مطیع وفرمانبردار بن جاتا ہے، اللہ کی نافرمانی اور بغاوت نہیں کرتا بلکہ اس سے دور رہتا اور اس سے پرہیز کرتا ہے۔

ساتویں چیز جو انسان میں غرور وتکبر پیدا کرتی ہے وہ حسن و جمال ہے، انسان کو حسن و جمال عطا کرنے والا اللہ ہی ہے، اور اس کی خوبصورتی کو باقی رکھنے والا بھی اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر انسانوں میں تکبر وغرور کے ساتھ رہنا انتہائی بداخلاقی اور جہالت ہے، انسان کو عزت' صورت سے نہیں' اچھی سیرت سے اور حسنِ اخلاق سے ملتی ہے، مگر اکثر مسلمان غیر مسلموں کی طرح حسن وخوبصورتی ملتے ہی اپنے جسم اور چہرے کی نمائش کرنا چاہتے ہیں، اور فلم ایکٹرس کی طرح فیشن اختیار کر کے نمایاں اور مشہور ہونا چاہتے ہیں، مؤمن جب بھی آئینہ دیکھتا ہے تو اپنے چہرے کو دیکھنے کے بعد اللہ سے دعاء کرتا ہے کہ ''اے اللہ! میرے چہرے سے زیادہ خوبصورت میرے اندرون کو بنادے، میری سیرت اور اخلاق کو بنادے۔'' ورنہ کسی کی جوانی' کسی کی خوبصورتی اور کسی کا جسم بس معمولی سی بیماری کا محتاج ہوتا ہے، کنکر پتھر یا چیچک نکل جائے تو پوری خوبصورتی ختم ہوجاتی ہے، یا بوڑھا ہوجائے تو چہرے پر جھرّیاں آکر بندر کی طرح بن جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیاں تاریخ اسلام کے مثالی نمونے ہیں، جن کو سامنے رکھ کر ہر ایمان والا اپنی سیرت سدھار سکتا ہے، اور اپنے آپ کو غرور وتکبر سے بچا سکتا ہے، اور اللہ کے اکبر یعنی سب سے بڑے ہونے کو مان کر اللہ ہی کو الکبیر اور المتکبر مان کر زندگی گذار سکتا ہے۔

جو لوگ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہوں وہ کبھی تکبر نہیں کرتے، عہدہ واقتدار کو ذمہ داری سمجھتے ہیں، دولت کو آزمائش جانتے ہیں، علم ملنے پر شکر گذار رہتے ہیں، حسن وخوبصورتی کو نفسانی خواہش کا ذریعہ نہیں بنالیتے، حسب ونسب کو عزت وکامیابی نہیں سمجھتے، کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی عطا' دین اور مہربانی تصور کرتے ہیں۔

جب انسان پر اللہ کی بڑائی کا احساس رہتا ہے تو وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی بڑائی ختم کر کے اللہ کی بڑائی پر چلتا ہے

حضرت خالد بن ولیدؓ سپہ سالار کی حیثیت سے بہت ماہر تھے، مگر بعض حالات میں حضرت عمرؓ ان سے مطمئن نہیں تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت خالدؓ کو سپہ

سالاری سے معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کو ان کی جگہ سپہ سالار مقرر کیا اور ان کی ماتحتی میں حضرت خالدؓ کو سپاہی بنا دیا، جبکہ وہ ایران میں جنگ میں مصروف تھے، عین اس زمامہ میں انہیں معزول کر دیا گیا، عام طور پر اکثر دوسری قوموں میں فوج میں بغاوت ہو جاتی ہے اور بہت سے لوگ بغاوت کر دیتے ہیں، مگر حضرت خالدؓ نے امیر المؤمنینؓ کے حکم پر سپہ سالاری حضرت ابوعبیدہؓ کے حوالے کر دی اور اپنے آپ کو ان کا ماتحت بنا لیا۔

چنانچہ حضرت خالدؓ کی صلاحیتوں اور جنگی ماہر ہونے کی وجہ سے فوج کے بہت سارے لوگ جو ان سے اُنس رکھتے تھے ان کے خیمہ میں آئے اور خلیفہ کے حکم کو نہ ماننے کو کہا اور کہا کہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، مگر حضرت خالدؓ نے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو ذہن میں رکھ کر سب کو یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے لئے نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ عمرؓ کے رب کے لئے لڑ رہے ہیں، اور اللہ کی بڑائی میں سپاہی کی حیثیت سے اللہ کی عبدیت و بندگی کو اختیار کرنے میں کوئی بے عزتی کا تصور نہیں کیا۔

عام طور پر بہت سے مذہبی کاموں میں جب کسی انسان کو اس کے مقام سے ہٹایا جاتا ہے تو وہ اپنی بڑائی قائم رکھنے کے لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوسرا گروپ بنا کر بغاوت کرتا ہے، مخالفت پر اُتر آتا ہے، یا کسی کام میں کسی شخص کو بڑا مقام نہ دیا جائے تو وہ چھوٹا بن کر کام کرنا نہیں چاہتا، اپنی بڑائی چاہتا ہے، تاکہ دوسرے لوگ اس کی بڑائی میں چلیں، اللہ کی بڑائی میں نفس اور ذاتی فائدہ کو ختم کرنا ہوگا۔

غرور و تکبر کی وجہ سے ایمان سے دوری

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص جبلہ بن ایم' قسطنطنیہ کے کسی علاقہ کا گورنر تھا، اسلام قبول کر کے طواف کے لئے مکہ آیا، طواف کے دوران اس کی تہبند پر ایک عربی کا پیر پڑ گیا، اس نے اس عربی کو اپنے شاہی غرور و تکبر والے دماغ کی وجہ سے تماچا رسید کر دیا، عربی نے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ میں مقدمہ پیش کر دیا، وہ مدینہ میں ٹھہرا ہوا تھا، حضرت عمرؓ نے عربی کو جتنی زور سے تماچا مارا تھا اتنی ہی سے زور سے

بدلے میں تماچا مارنے یا فدیہ ادا کرنے کو کہا، وہ اس فیصلہ پر اپنے ذہن میں تصور کیا کہ اسلام لانے کے بعد میرے اور عام آدمی میں کوئی فرق ہی نہیں، میرے اسلام لانے کے بعد میرے مقام کے لحاظ سے میری عزت ہی نہیں رہی، وہ راتوں رات وہاں سے بھاگ گیا اور مرتد ہوگیا، بہت عرصہ بعد اس کے علاقہ میں ایک صحابیؓ تجارت کے لئے گئے، اس کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو بلوایا اور کہا کہ میرے دل کو سکون نہیں ہے، واقعی حضرت عمرؓ نے صحیح فیصلہ کیا تھا، میں رات دن بے چینی میں رہتا ہوں، حالانکہ مجھے اقتدار ضرور حاصل ہے، میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں، میں جان گیا کہ دین اسلام ہی سچا دین ہے، میں پھر سے اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ دنیا میں ایسے بہت سارے بے شعور مسلمان ہیں جو منسٹر، جج، کمشنر یا بڑے لیڈر یا دولت مند، صدر، وزیر اعظم یا اور کوئی بڑے عہدیدار بن جائیں تو نوکروں اور خدمت گاروں کو انسانی مساوات کا درجہ نہیں دیتے، ان کے دماغ پر اللہ کی بڑائی نہیں اپنی بڑائی اور تکبر کا غلبہ رہتا ہے، وہ کبھی غریب و نادار، نوکر اور خادم کو اپنے سامنے یا اپنے ساتھ بیٹھنے کی اجازت تک نہیں دیتے، نہ دستر خوان پر بیٹھاتے ہیں، ان کو سامنے کھڑا کر کے بات کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو غلاموں اور خادموں کے ساتھ بے انتہاء عزت و احسان والا برتاؤ فرماتے تھے، حضرت بلالؓ کو خاص طور پر اپنے ساتھ رکھ کر اونچا مقام دیا، فتح مکہ کے وقت کعبۃ اللہ پر چڑھا کر اذان دلوائی، اپنے گھر والوں کے خرچہ وغیرہ کا ذمہ دار بنایا تھا، حضرت زیدؓ کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، اور حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو حضرت حسنؓ کے ساتھ دوسرے پیر کی مانڈی پر بٹھاتے، ان کا منہ ہاتھ دھلاتے اور پونچھتے تھے، حضرت عمرؓ، حضرت بلالؓ کو ''سیدنا'' یعنی ہمارے سردار کہہ کر پکارتے تھے۔

شیطان کا زبردستی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا

دنیا میں بہت سارے بے شعور لوگ جن کو دنیا بڑا نہیں مانتی، زبردستی علم، دولت یا اقتدار اور پرہیز گاری آجائے تو زبردستی اپنے آپ کو اپنے ذہن کے مطابق بڑا تصور کرتے

ہیں اور غیر ضروری معتبری اختیار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں ایک دولتمند شخص ایک غریب انسان کے بازو سے ہٹ کر دور بیٹھ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں اس کی غریبی تم کو لگ جانے کا ڈر محسوس کر کے اس سے دور ہو گے۔

شیطان کو بھی جب اللہ نے فرشتوں کے ساتھ مل کر سجدہ کرنے کا حکم دیا تو وہ سجدہ نہیں کیا اور زبردستی اپنے آپ کو آدم سے افضل تصور کیا، اور کہا کہ تو نے مجھے اس سے افضل بنایا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، اللہ نے مجھے آگ سے اور آدم کو مٹی سے بنایا ہے اس لئے وہ حقیر ہے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو خود سے بڑا سمجھا۔

انسان جب اللہ کو بڑا مانتا ہے تو اللہ کا واضح حکم آجانے کے بعد بندے کا کام ہے کہ چاہے وہ دنیا میں کچھ بھی ہو دل و جان سے اللہ کی بڑائی مان کر اطاعت کرے چاہے اس عمل کی حکمت اور فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ورنہ اللہ شیطان کی طرح ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے، بنی اسرائیل، یہود و نصاریٰ نے بھی شیطان کی روِش اختیار کی اور اللہ کے حکم کو نہ مانا، رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کو باوجود حق جاننے کے اور کعبۃ اللہ کو باوجود حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ کے تعمیر کرنے کو جاننے کے محض اپنے آپ کو بڑائی گھمنڈ و غرور میں مبتلا رکھ کر ماننے سے انکار کیا، اور بنو اسماعیل کے ساتھ یہ تصور رکھے کہ وہ امی ہیں، ان میں ہدایت نہیں آسکتی، وہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں پیشوائی کا حق صرف انہی کو حاصل ہے، وہ کسی دوسری نسل میں ہدایت آنے کو نہیں مانتے تھے، قیامت تک انسانیت کی دینی پیشوائی انہی کو دی گئی ہے، اسی تصور کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہے اور ذلیل کر دئے گئے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

اللہ کی صفات: اَللَّطِیْفُ وَ الْخَبِیْرُ

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُo (الانعام:۱۰۳)

نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے، اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

اَللَّطِيْفُ کے دو معنیٰ ہیں، مخلوقات پر بہت مہربانی کرنے والا، دوسرا ہر طرح کی باریکیوں کو جاننے والا۔

اَلْخَبِيْرُ کے معنیٰ چھپے ہوئے اور پوشیدہ کاموں اور خیالات تک کو جاننے والا۔

لطیف وہ ذات ہے جو اپنی ہر قسم کی تمام مخلوقات پر گہری، باریک بین نظر رکھنے والا، اور مہربانی کرتا ہے، الخبیر کے ناطے بندوں کے چھپے ہوئے کاموں سے وہ خوب واقف رہتا ہے، لطیف وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے لئے جو بھی منصوبہ بناتا ہے اس کو بندہ سمجھ نہیں سکتا، بندوں کی مدد کرنے یا سزا دینے کے لئے ایسے اسباب پیدا کرتا ہے جس کو بندہ سمجھ ہی نہیں سکتا، جو چیزیں انسان کو نظر نہیں آتیں اور جو نظر آتی ہیں، مثلاً رائی کے دانے سے لیکر میدانِ حشر اور حساب وکتاب وغیرہ سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ کے لطیف کاموں کا تذکرہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں

اللہ تعالیٰ لطیف ہونے کے ناطے باریک سے باریک نظر نہ آنے والے کاموں پر جس قدر وہ قدرت رکھتا ہے ان سب کا تذکرہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، ہر کام میں مہربانی اور لطف وہ خود ہی جانتا اور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ساری لطیف چیزوں کو جاننے کا علم دیا

اللہ تعالیٰ انسان کو سائنس کے علم میں ترقی عطا کر رہا ہے اور انسان اللہ کی بہت ساری چھپی ہوئی ٹکنالوجی اور قدرت کو جان رہا ہے، انسان نے اللہ ہی کے دئے ہوئے علم سے ترقی کر کے راکٹ بنایا اور خلاء میں بھیج کر ستاروں کی مخفی معلومات حاصل کر رہا ہے، چیزوں کے

راز جان رہا ہے، ایکسرے مشین، MRI مشین کے ذریعہ جسم کے اندر کی خرابیوں کو معلوم کر رہا ہے، اور گھر بیٹھے انٹرنیٹ، ٹی وی اور موبائل کے ذریعہ پوری دنیا کے شہروں کے حالات جان رہا ہے، اور خلاء میں باقاعدہ اسٹیشن قائم کر کے ہر ملک اپنے اپنے سٹلائیٹ Sattelite بھیج کر پوری دنیا کے ممالک کے چھپے ہوئے رازوں کو معلوم کر رہا ہے۔

تو غور کیجئے کہ جس مالک نے اپنے غلاموں اور بندوں کو یہ صلاحیت دی ہے' کیا وہ مخلوقات کے تمام کاموں میں چھپے ہوئے اور نظر نہ آنے والے کاموں اور باتوں کو نہیں جان سکتا؟ بے شک جان سکتا ہے، بے شک وہ اللطیف اور الخبیر ہونے کے ناطے **ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر** یعنی وہ ہر چیز پر ہر اعتبار سے قدرت رکھتا ہے۔

بے شک وہ **الشھید** ہے، وہ عرش سے فرش تک دیکھتا اور ہر چیز اس کے سامنے موجود ہے۔

وہ اللطیف کے ساتھ ساتھ الخبیر بھی ہے، اپنی مخلوقات کے ماضی، حال اور مستقبل کی پوری طرح مکمل خبر رکھتا ہے، الخبیر ہونے کے ناطے ضمیر کی چھپی ہوئی باتوں، خیالات اور اعمال کی نیتوں تک کو جانتا ہے، اور ہر مخلوق کی ابتدا سے انتہاء تک کی پوری خبر رکھتا ہے اور بندوں کے ظاہری اور چھپے ہوئے کاموں پر نظر رکھتا ہے۔

جاندار کو ماں کے پیٹ اور انڈوں سے پیدا کرنے کی باریکی ولطافت

اللہ تعالیٰ ہر جاندار کو پانی کے قطرے سے پیدا کرتا ہے، پانی سے پیدا کرنے کی باریکی کو وہ خود جانے، مگر انسان اور جانوروں پر غور کیجئے، ان کو منی یعنی نطفہ کے قطرے سے تخلیق کرتا ہے، کسی کو انڈوں میں اور کسی کو ماں کے پیٹ میں۔

انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ہر ایک کو ماں کے پیٹ سے کیوں نہیں پیدا کر رہا ہے؟ تو غور کرنے پر ہمیں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ لطیف ہونے کے ناطے وہ انڈوں سے پیدا ہونے والوں کی تخلیق میں باریکی اور مہربانی یہ رکھا ہے کہ وہ پرندے عام طور پر دن رات فضاء میں اُڑ کر اپنی غذا تلاش کرتے ہیں، اگر بچے ان کے پیٹ میں تخلیق پاتے تو ان کا وزن بڑھ جاتا اور

وہ اُڑ نہیں سکتے، اور اللہ نے ان کے جسموں میں حیض کا نظام نہیں رکھا جس کی وجہ سے بچہ ماں کے پیٹ میں غذا حاصل نہیں کرسکتا، یہ صرف لطیف کی لطافت اور مہربانی ہے کہ وہ ان کے لئے ایسا آسان نظام بنادیا کہ ان کے بچے پیٹ سے نہیں انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

انسان، ہاتھی، گھوڑا، اونٹ، گائے اور بھینس کے بچے اگر انڈوں سے پیدا ہونے کا طریقہ رکھا جاتا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا لطف وکرم یہ نظر آتا ہے کہ انسان نہ انڈوں کی حفاظت کرسکتا تھا' اس لئے کہ اُسے نوکری وتجارت اور محنت مزدوری اور گھر کے کام کاج کرنا پڑتا ہے، جانور جو چارہ چرنے کے لئے دن بھر میدانوں اور جنگلوں میں جاتے ہیں وہ اپنے وزن اور جسامت کے لحاظ سے انڈوں پر بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے، اللطیف اپنی باریک بیں نظر سے ان مخلوقات کے بچوں کو ماں کے پیٹ میں بناتا ہے اور پیدا کرتا ہے، دودھ اور حیض کو رُکوا کر غذا دیتا ہے۔

اللطیف' اللہ کے اس لطف وکرم پر بھی غور کیجئے کہ ماں کے پیٹ میں وہ بچوں کو ماں کی کھائی ہوئی گھاس یا چاول، روٹی یا گوشت ان بچوں کو منہ سے نہیں کھلاتا بلکہ وہ اپنی صفت قدیر ہونے کے ناطے ان غذاؤں کے بجائے بچے کو ماں کے نجس حیض کا خون اور دودھ روک کر ناف سے خون کے ذریعہ ربوبیت کرتا ہے، اس لئے کہ بچہ ہاتھی کے پیٹ میں ۲۱۔تا۔۲۴ ماہ تک رہتا ہے، جس مدت تک بھی رہے وہ پیشاب یا پاخانہ نہیں کرسکتا اور نہ منہ سے کوئی چیز چبا سکتا ہے، نہ ناک سے سانس لے سکتا ہے، تخلیق کا یہ عمل لطیف کی باریک وگہری نظر اور لطف وکرم کو سمجھا رہا ہے اور بچہ کی پیدائش میں اس کی مہربانی کا سبق دے رہا ہے۔

بند انڈوں میں تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے بغیر ہوا' پانی اور غذا کے کئی دنوں تک صفت ربوبیت سے پرورش کرتا ہے، جانداروں کے بچوں میں دودھ چھوڑنے تک دانت نہیں دیتا؛ تاکہ بچہ ماں کے سینے کو زخمی نہ کردے، جانوروں کے بچوں کو جوان ہونے کے بعد سینگ دیتا ہے تاکہ وہ ماں کے پیٹ سے آسانی سے باہر آسکے، یہ سب لطیف کی باریک بینی، لطف وکرم اور مہربانی ہے۔

انسان کی تخلیق میں لطیف کی باریک بینی

انسان کے بچے کو منی کے لطیف قطرے سے ایک جرثومہ کو جو نظر نہیں آتا تخلیق کرتا ہے اور پھر اس جرثومہ میں لطیف روح جو کسی کو نظر نہیں آتی داخل کرتا ہے اور اپنی مہربانی اور لطف وکرم سے بچے کی بغیر نوکری، بغیر تجارت، بغیر علم وڈگری، بغیر ہنر اور دولت کے ماں کے پیٹ میں ربوبیت کرتا ہے، اس لئے کہ وہاں کی دنیا میں یہ سب چیزیں نہیں اور نہ ماں کا پیٹ امتحان کی جگہ ہے، اور بغیر مشین اور آلے کے تمام اعضاء عطا کرتا ہے۔

وہ جانداروں کی تصویر پانی کے لطیف قطرے پر بناتا ہے، پھر ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد اُسی پانی کے لطیف قطرے کو بچپن، جوانی اور بوڑھاپے سے گذار کر اس پر اپنے لطف وکرم سے دنیا کی مختلف چیزوں کا علم اور روحانی علم اور خیر وشر کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے اور ہر ایک جاندار کو ان کی زندگی گذارنے کا علم فطری طور پر دیتا ہے۔

اللہ کی باریک بینی اور مہربانی پر غور کیجئے کہ وہ اسی لطیف پانی کے قطرے سے پیدا کردہ انسان کو ترقی دے کر علم عطا کرتا ہے تو وہ سائنس کے ذریعہ چیزوں پر ریسرچ کر کے ہر چیز کی جسمانی تخلیق الٰہی کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کو ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس دان بنا کر دنیا میں اسی انسان سے اپنی صفت تخلیق اور ہدایت سے نئی نئی چیزیں ایجاد کرواتا ہے، جن کی انسان کو ہر زمانے میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

روحانی تعلیم کے ماہرین' وحی الٰہی کے نور سے انسانوں پر سخت محنت کر کے ان کی صحیح ہدایت ورہنمائی کرتے ہیں اور یہ انسان جو لطیف پانی کا قطرہ تھا' ترقی کر کے اللہ کا محبوب بندہ بنتا ہے، کوئی بھی انسان منی کے قطرے سے بننے والے جرثومہ سے اللہ کے اس منصوبے کو نہیں سمجھ سکتا، اس لئے کہ وہ بہت باریک بیں نظر رکھتا ہے۔

پانی کی تخلیق میں لطیف کا لطف وکرم

اللہ تعالیٰ اپنی باریک بینی اور مخلوقات پر مہربانی کرنے کے لئے مختلف چیزوں کو مختلف انداز سے محفوظ رکھ کر مخلوقات کو فائدے پہنچاتا ہے، پانی کو مخلوقات کے پینے اور

زراعت میں استعمال کرنے کے قابل بنانے کے لئے وہ ندی، دریا، سمندر، تالابوں اور کنوؤں کا انتظام کیا، اور پانی کے برسانے کا ایک موسم مقرر کیا، اگر وہ بارش کا موسم مقرر نہ کرتا اور تالاب وسمندر وغیرہ نہ ہوتے، یا پہاڑوں پر برف محفوظ نہ رہتی تو انسان اپنی سال بھر کی ضرورت کے لحاظ سے اتنی مقدار میں پانی جمع رکھنے کے لئے برتن یا ٹینکیاں کہاں سے بنا سکتا تھا، اگر وہ محفوظ بھی کر لیتا تو پانی چند دنوں بعد خراب ہو کر استعمال کے قابل نہ رہتا، یہ تو اس کی مہربانی اور لطف وکرم ہے کہ اس نے انسانوں کو تالاب اور ڈیم بنانے کا طریقہ سکھایا اور پانی کو صاف وشفاف کرنے کے لئے وہ پانی جو زمین پر سے ندی، نالوں اور تالابوں کے ذریعہ ساری گندگی لیکر سمندر میں جاتا ہے اور سمندروں میں رہنے والے سیکڑوں جانور ہر روز مرتے بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم اور مہربانی سے پانی کو کھارا بنا کر سالوں رکھتا ہے اور ہوائیں اس کی ساری گندگی کو زمین پر ہی چھوڑ کر اوپر سے بخارات بنا کر اُڑا لیجاتی ہے؛ ورنہ انسان یا جانور کھارا اور کڑوا پانی نہ پی سکتے اور نہ زراعت کر سکتے، نہ غذائیں تیار کر سکتے تھے، اور نہ ہی اتنی بڑی مقدار میں پانی کی صفائی کر سکتے تھے؛ بلکہ اس کے برعکس پانی سڑ کر بدبودار، ناپاک اور گندہ وبدمزہ ہو جاتا تھا۔

پھر بارش کے پانی کو برف کی شکل میں پہاڑوں پر محض پینے اور زراعت کرنے کے لئے محفوظ رکھتا ہے، یہ سب اس کے لطف وکرم کا اظہار ہے، یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ وہ پانی کو زمین میں جذب کرواتا ہے، حالانکہ پانی کو لطیف بنایا اور زمین کو میلوں سخت اور رُکاوٹ کرنے والی بنایا، پانی کو جذب کروا کر انسانوں کے گھروں تک زمین میں سے جھرنے بنا کر، پہنچتا ہے، تاکہ انسان آسانی سے پانی حاصل کر لے، اگر وہ چاہتا تو انسانوں کو سمندروں میں رہنے والے جانوروں کی طرح کھارا پانی پلا کر بھی زندہ رکھ سکتا تھا، یا پھر جنگل میں رہنے والے جانوروں کو ان کے گھونسلے اور غاروں تک رات اور دن کے اوقات میں پانی نہیں ملتا، وہ پیاسے رہ کر رات گذارتے ہیں، یا تالاب پر جا کر پیتے، انسان کے لئے بھی ویسا ہی طریقہ رکھ سکتا تھا، مگر اس کے لطف وکرم کا یہ حال ہے کہ انسان کو ضرورت کے مطابق پانی

آسانی سے گھروں میں ملنے کے طریقے سکھائے، اور ایک ہی پانی ایک ہی زمین، ایک ہی ہوا سے طرح طرح کے میوے، پھل پھلاری، غلہ، اناج اور ترکاریاں نکال رہا ہے، اور ان کے مزے، لذت، طاقت اور پروٹین الگ الگ رکھے، یہ انسانوں کے لئے اس کا خالص لطف وکرم اور مہربانی ہے، بیشک ایسی صفات والا کوئی دوسرا نہیں **لا الٰہ الا اللّٰہ**۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اپنی مخلوقات کو پانی سے بے شمار فائدے اٹھانے کے قابل بنایا، اللہ کی مہربانی اور لطف وکرم دیکھئے کہ پانی کو اتنا پتلا اور نرم بنایا اور یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ معمولی لکڑی کا ٹکڑا یا کنکر اس میں گر جائے تو وہ اُسے ڈبو ڈالے، مگر اس نے اپنی صفت اللطیف سے انسانوں پر لطف وکرم اور مہربانی کرنے کے لئے انسانوں کو خشکی کے علاوہ سمندری راستے سے سفر کرنے کے لئے اپنی صفت تخلیق سے بڑے بڑے جہاز بنانا سکھایا اور پانی کو ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ دیوہیکل جہازوں کو ہزاروں ٹن سامان کے ساتھ اپنے اوپر پھولوں کی طرح سنبھالے رکھے، یہ انسانوں کا کوئی کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت اللطیف کی مہربانی اور لطافت ہے، اس نے انسانوں کی ربوبیت کے لئے ایسا بہترین انتظام کیا۔

ہوا کی تخلیق میں لطیف کا لطف وکرم

اللہ کے لطف وکرم اور مہربانی دیکھئے کہ وہ ہوا کو بے انتہا لطیف بنایا، اس سے زیادہ لطیف اور ہلکے پانی کے بخارات اور بھاپ کو بنایا، پھر ان بخارات کو اپنی باریک نظر سے ابر بناتا ہے، اور ابر کو ہوا کے ذریعہ پوری دنیا میں لیکر اُڑائے پھرنے کی ہدایت دیتا ہے اور اپنی صفت ربوبیت کے لئے جہاں برسانا چاہے برسنے کی ہدایت دیتا ہے۔

بھاپ کی مدد سے انسان ریل گاڑیاں، مشینیں اور موٹر گاڑیاں چلاتا ہے، اللہ نے کائنات کے نظام کو چلانے کے لئے اپنی باریک بینی سے ہوا کو خرابی سے بچانے کے لئے درختوں اور پودوں کا نظام بھی رکھا جس کی وجہ سے وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ لیکر آکسیجن خارج کرتے ہیں، جانداروں کی آوازوں کو ایک دوسرے تک پہنچانے کے لئے ان کے درمیان ہوا کو رکھا، ہوا' سورج کی زہریلی شعاعوں اور شہابِ ثاقب کو زمین کی آبادیوں

والے حصوں میں آنے سے روکتی ہے، ہوا کی لہریں انٹرنیٹ اور ٹیلی فون کی باتوں کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچاتی ہیں، یہ سب باریک کام انسانوں کے نہیں اللہ کے ہیں، وہ لطیف ہونے کے ناطے مہربان ہے۔

آگ کی تخلیق میں لطیف کا لطف وکرم

اللہ تعالیٰ آگ جیسی مخلوق کو بھی بڑی لطیف اور نازک بنایا وہ پانی کے قطرے پڑتے ہی مرجاتی ہے، مگر تیزی اور گرمی اس میں اتنی رکھی ہے کہ لوہا جیسی ٹھوس سخت دھات اور سونا چاندی کو نرم کردیتی ہے جس کی وجہ سے اللہ نے اپنی صفت ربوبیت کو ظاہر کرنے کے لئے انسان لوہے کو نرم کرکے اپنی ضروریات کے مختلف سامان بنانے کی صلاحیت اور غذائیں تیار کرنے کی صلاحیت دی اور سونا چاندی کو آگ سے پگھلا کر زیورات بنا سکتا ہے، اللہ نے ہر جاندار کے جسم میں آگ رکھی ہے، اسی طرح اللہ نے سورج کو صرف روشنی اور گرمی دینے والا ہی نہیں رکھا بلکہ اپنے لطف وکرم سے کہیں کھیت تیار ہوتے ہیں، ان سے غلہ اناج پھل پھلاری اور ترکاریاں جو مائع یا ٹھوس حالت میں ہوتے ہیں، ان غلوں کو بظاہر ٹھوس سے مائع اور مائع سے ٹھوس بنا کر مخلوقات کو کھانے کے قابل بنادیتا ہے، جیسے آخروٹ بادام، چاول، گیہوں، سنترہ، موسمبی، انار، انگور وغیرہ، یہ سب اس کے لطف وکرم اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔

روشنی اور شعاعیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ لطیف بنایا، اور پھر ان کو اپنی صفت القوی کا پرتو بنا کر یہ طاقت دی کہ انسان حرارت اور روشنی کے لیزر (Laser) شعاعوں سے بغیر آپریشن کئے علاج کرسکتا ہے، اور جسمانی خرابیوں کو گلا سکتا ہے، جب اللہ ہلکی اور باریک چیزوں سے بڑے بڑے کام لے سکتا ہے تو مخلوقات کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات، ارادوں اور چھپے ہوئے اعمال اور نیتوں کو کیوں نہیں جان سکتا؟ بیشک وہ اللطیف ہے، باریک سے باریک ذرّہ، ہلکی سے ہلکی چیزوں جیسے رائی کے دانوں تک کو مقصد اور ضرورت کے تحت پیدا کیا، ان پر نظر رکھتا ہے، ان کو حکمت کے ساتھ استعمال کرتا ہے، ان کے حرکات واعمال سے واقف رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بہت ہی لطیف بنایا

اللہ تعالیٰ نے بڑی سے بڑی اور فرشتے جیسی نظر نہ آنے والی جاندار لطیف مخلوق کو بھی پیدا کیا، ان کو نور سے پیدا کر کے روشنی سے بھی تیز زمین پر کچھ سیکنڈوں میں آنے کے قابل بنایا، اور وہ شعاعوں اور ہوا کی طرح گھروں، غاروں اور زمین کے اندرونی حصوں میں جاسکتے ہیں، ان کو دوسری مخلوقات سے زیادہ طاقت عطا فرمائی، ان کی طاقت کا عالم یہ ہے کہ وہ زمین کو الٹ سکتے ہیں، دوزخیوں کو سزا دینے کے لئے دوزخ میں ۱۹ر فرشتے رکھے گئے ہیں، کراماً کاتبین کو اتنا لطیف بنایا کہ وہ انسانوں کے ساتھ رہتے ہوئے ان کو دکھائی نہیں دیتے، فرشتوں کو روشنی سے بھی زیادہ ہلکے اور لطیف بنایا، جب سورج کی روشنی کچھ سیکنڈ لاکھوں میل سے زمین پر آسکتی ہے تو فرشتوں کو منٹوں میں زمین پر آنے میں کیا مشکل ہے۔

جنات کو ایسا جسم دیا کہ وہ جو چاہے شکل اختیار کر سکتے ہیں، انسان، بلی، کتا، سانپ وغیرہ کسی کی بھی شکل اختیار کر سکتے ہیں، یہ سب اللہ کے اللطیف ہونے کے ناطے باریک بینی کے کام ہیں، جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے، جب وہ لطیف مخلوق سے مختلف قسم کے کام اپنی صفات سے لے رہا ہے تو غور کیجئے کہ کیسی قدرت والا ہے اور کس طرح باریک سے باریک کاموں کا کرنے والا ہے، اس کی تدبیر اور منصوبے انسانی سمجھ سے بہت دور ہوتے ہیں، ان کا آغاز کچھ ہوتا ہے اور انجام کچھ اور ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے ''فرشتوں اور وحی'' پڑھئے۔

لطیف کا لطف وکرم نیک بندوں پر

وہ جب اپنی صفت اللطیف کا اظہار کرتا ہے تو اپنے نیک وصالح بندوں کے ساتھ لطف وکرم کا اثر سب سے پہلے بندہ پر دین کی سمجھ میں اضافہ کرتا ہے، ایسے بندوں کے لئے ہدایت ونیکی کے راستے آسان کر دیتا ہے، سلیم الفطرت بندوں کو تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی روشنی یعنی ایمان عطا کرتا ہے۔

جس بندے کے ساتھ لطف وکرم کرتا ہے اُسے نفس امّارہ پر قابو رکھنا، گناہِ صغیرہ وکبیرہ

سے بچنا آسان کر دیتا ہے، اور ان کے بے شعوری وغفلت میں کئے گئے گناہوں کو سچی توبہ کرنے پر نیکیوں میں بدل دیتا ہے، اس کا لطف وکرم اپنے نیک بندوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ان کو دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت اور تیاری کی دن رات تڑپ دیتا ہے اور ایسے بندوں کو دنیا کی عاقبت دنیا سے حلال رزق، دولت، عزت اور نفع بخش علم عطا کرتا ہے، اور دنیا کے ساتھ ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری اور سامانِ عیش دیتا ہے، نیک بندوں کو مصیبت، بیماریوں اور پریشانیوں میں صبر ورضائے الٰہی کی توفیق دے کر صبر وشکر کرنے والے بندے بنا دیتا ہے، پھر آخرت کے اعتبار سے ان کی قبر کی منزل کو آسان کر دیتا ہے، عالم برزخ میں جنت کی کھڑکی کھول کر پہلے ہی خوشخبری سنا دی جاتی ہے اور حشر کے میدان میں عزت دار طریقے سے نعمتیں عطا کرتا ہے، اور ایسے بندوں کو پل صراط پر ایمان کی روشنی عطا فرماتا ہے اور ایسی جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرماتا ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا، انسان ان نعمتوں کا دنیا میں تصور ہی نہیں کر سکتا، یہ سب اللطیف کا لطف وکرم اور مہربانی ومحبت ہے۔

وہ اپنے نیک بندوں پر بڑا لطیف ہے اور کافروں پر سخت ہے، وہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ جب لطف وکرم اور احسان کرتا ہے تو بندہ کو پہلے بظاہر احساس نہیں ہوتا، جب وہ اپنی نعمت تمام کرتا ہے تو اس کی باریک بینی اور مہربانی سمجھ میں آتی ہے، اللہ کا لطف وکرم انسانوں کو فوراً سمجھ میں نہیں آتا، وہ ایسے لطیف طریقے سے مدد اور مہربانی کرتا ہے جو انسان آزمائش، تکالیف ومصیبت کے حالات سے گذر کر پھر اللہ کا منصوبہ پورا ہونے کے بعد اس کی مہربانی اور لطف وکرم کو سمجھ سکتا ہے۔

لطیف کا لطف وکرم حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے ساتھ

جیسے حضرت یوسفؑ اپنے والد حضرت یعقوبؑ کے پاس سے گم کر دئے گئے جو باپ کے لئے بہت تکلیف کا ذریعہ بنے' مگر اللہ کے لطف وکرم کا حال الگ ہے، وہ حضرت یوسفؑ کو بظاہر کنویں میں مصیبت میں ڈالنا گوارا کیا، اگر وہ کنویں میں نہ ڈالے جاتے تو والد سے دور ہو کر مصر نہیں جا سکتے تھے، قافلے والوں نے کنویں سے نکال کر پھر

غلام بنا کر مصیبت میں مبتلا کیا، مگر وہ مصر میں شاہی خاندان میں پہنچ گئے۔

پھر زلیخا نے دشمن بن کر حضرت یوسفؑ کو جیل بھیج دیا، اگر وہ قیدی نہ بنائے جاتے تو بادشاہ کے پاس جانے کے حالات اور ان پر لگائی گئی تہمت سے وہ بری نہ ہوتے، اللہ تعالیٰ شر میں سے خیر نکالتا ہے، وہ جیل سے بادشاہ کے پاس پہنچ گئے، یہ صرف اور صرف اللطیف کا لطف وکرم اور مہربانی ہے جو اپنے نیک بندوں کے ساتھ کرتا ہے۔

لطیف کا لطف وکرم حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کے لکھے کے تحت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو مصر سے فلسطین اور پھر مکہ منتقل کیا، اور حضرت اسماعیلؑ سے مکہ میں بنو اسماعیل کو بسانا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی میں سے پیدا کرنا تھا۔

اللہ کا لطف وکرم اور مہربانی پر غور کیجئے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کو اکیلے ریگستان کے سنسان میدان میں چھوڑنے کا حکم دیا، جہاں نہ پانی تھا نہ غذا، نہ کوئی درخت تھا اور نہ کوئی جاندار تھا، حضرت ہاجرہؑ اللہ کی صفات الحفیظ والحافظ پر توکل کر کے اپنے بیٹے کے ساتھ وہاں رہنے پر راضی ہوگئیں، ساتھ جو کھجوریں تھیں وہ ختم ہوگئیں، تو بچہ رونے لگا، حضرت ہاجرہؑ صفا مروہ کے درمیان دوڑتے ہوئے پانی تلاش کرنے کے لئے چکر لگائی اور بار بار بچے کی حفاظت کی خاطر اس کی طرف بھی دیکھ لیتی تھیں، اللہ نے اپنی صفت رب اور قدیر سے حضرت اسماعیلؑ کے لیٹے ہوئے مقام سے پانی کا چشمہ زم زم جاری کر دیا، اور بعد میں جب حضرت اسماعیلؑ بڑے ہوگئے تو حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم دیا، پھر آسمان سے بطور ذبیحۂ دنبہ بھیج کر قربانی کروائی، اور اس کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو کعبۃ اللہ دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور انسانوں کو اس گھر کا حج کرنے کی آواز لگانے کا حکم دیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیمؑ پر کرم اور مہربانی ہے کہ اس گھر کو نماز کا قبلہ اور مسلمانوں کا مرکز بنا دیا اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد کئی پیغمبروں اور ان کی امتوں نے

وہاں حج کیا، یہ بھی اللہ کی عجیب مہربانی وکرم ہے کہ حج جیسی عظیم عبادت کو ان کے اعمال کی نقل بنادیا اور دینِ ابراہیمی کی یاد کو ہر سال تازہ کرتا رہتا ہے، اور ہزاروں سالوں سے مسلمان بڑی تعداد میں حج کرتے آرہے ہیں اور ساری دنیا میں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی نقل میں اللہ کے نام پر جانور کی قربانی دیتے ہیں، گویا ہزاروں سال سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خاندان کے اعمال کو حج کے ایام میں نقل کرنے اور قربانی کی نقل کرنے اور ان کی سنت کو پورا کرنے کا ثواب عطا فرمارہا ہے، اور درودِ ابراہیم میں خاص طور پر امت مسلمہ کے افراد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ پر بھی درود وسلام بھجوا رہا ہے اور رحمت کی دعا کروا رہا ہے، اور امتِ مسلمہ کا نام مسلم انہی کے نام پر رکھا، یہ سب لطیف کا لطف وکرم ہے۔

اگر حضرت ابراہیمؑ مکہ نہ آتے اور کعبۃ اللہ نہ تعمیر کرتے تو وہاں نماز کا قبلہ کہاں بن سکتا اور لوگ اس گھر کا طواف کہاں سے کرتے اور وہاں حج کہاں سے ہوتا؟ اور لوگ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خاندان کے اعمال کی نقل کہاں کرتے اور ان کو ہر سال لاکھوں نیکیوں کا ثواب کہاں سے ملتا، یہ سب اللہ کی باریک بینی ولطیفانہ نظر ہے، جب وہ کسی پر مہربانی اور لطف وکرم کرنا چاہتا ہے تو اسی انداز سے کرم کی بارش کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ بی بی ہاجرہؑ کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس مقام کو مقدس اور برکت والا بنادیا، بچے کے قدموں سے پانی کا چشمہ پھوٹا اور بیٹے کی قربانی کے عمل کی قیامت تک نقل کروادی اور حضرت ہاجرہؑ باوجود پیغمبر نہ ہونے کے ان کے عمل صفا مروہ کے درمیان دوڑ کی نقل حاجی پر لازم کردی، یہ سب لطیف کا لطف وکرم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت میں اللہ کا لطف وکرم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے معجزے کے ذریعہ اپنی صفت تخلیق سے بغیر باپ کے حضرت مریمؑ جیسی پاکباز عصمت وعفت والی خاتون سے پیدا کیا، لوگ آپؑ کی پیدائش کو اللہ کی آزمائش نہ سمجھے اور اللہ کو ہر طرح سے ہر چیز پر قادر نہ سمجھے، اور یہود نے

حضرت موسیٰؑ اور تورات کے غلو میں آپ کو پیغمبر سمجھنے اور آپ کے معجزات دیکھنے کے باوجود اللہ کی صفت ہادی کا انکار کیا اور انہیں قتل کرنا چاہا، یہ اللہ تعالیٰ کی باریک اور لطیف آزمائش تھی کہ وہ آپ کو فطری طریقہ پر پیدا نہ کر کے بغیر باپ کے اپنی صفت تخلیق سے غیر فطری طریقہ پر پیدا کیا، اور انسانوں کو ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر کا سبق دیا، لیکن انسانوں نے اللہ کو قادر نہ سمجھ کر ان کو خدا کا بیٹا تصور کر لیا اور توحید کے خلاف شرک میں مبتلا ہو کر ان کی بھی عبادت کرنے لگے، ان کو خدا کا مقام دے دیا، اور یہ غلط عقیدہ بنا لیا کہ اللہ نے کائنات بنا کر اس کے انتظامات اپنے بیٹے کے حوالے کر دئے، جبکہ وہ کائنات کی سلطنت کے انتظامات مستوی علی العرش سے کرتا ہے۔

یہود نے حضرت عیسیٰؑ کو دشمنی میں قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ اپنی صفت الحفیظ والحافظ کے ذریعہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا، اور قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں بھیجے گا، دجال کا خاتمہ انہی سے کرائے گا اور ان کو امت محمدیہ میں شامل کر کے خلیفہ بنائے گا۔

حضرت موسیٰؑ کی پرورش میں اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم

حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت لطیف کے لطف وکرم کا حال یہ تھا کہ جب انہیں فرعون کے لوگوں کا خطرہ محسوس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کے ذریعہ صندوق بنا کر بچے کو اس میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈالنے کی طرف رہنمائی کی اور اس کام کے لئے ہمت وتسلی دی، پھر حفاظت اور بیٹے کی واپسی کا وعدہ بھی کیا، جب صندوق دریا میں ڈال دیا گیا تو اس کو اپنی صفت حکمت سے فرعون کے دربار میں پہنچا دیا، فرعون کے باغ کے نگران کا رجحان کو نکال کر بنی اسرائیل کا بچہ سمجھ کر قتل کرنا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ اپنی صفت حفیظ کے ذریعہ حفاظت کرتے ہوئے فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ کے ذریعہ اپنی صفت سلام سے سلامتی عطا فرمایا۔

پھر اللہ کی صفت لطیف کا لطف وکرم دیکھئے کہ حضرت موسیٰؑ کسی دایا کا دودھ پینے کے لئے تیار نہ ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قدیر سے ان کی بہن کے ذریعہ ماں کا دودھ پلانے کے لئے انتخاب کروایا اور پھر بچے کو دوبارہ ماں ہی کے پاس رکھنے کے حالات پیدا

کئے، حضرت موسیٰؑ محفوظ حالت میں دوبارہ ماں کی گود میں گھر ہی میں پرورش کے لئے واپس کردئے گئے، اللہ تعالیٰ صفت لطیف کے ذریعہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ ایسی ہی شفقت کرتا ہے، لیکن اس کی باریک بینی اور چھپی ہوئی مہربانیوں کو انسان نہیں سمجھ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کا لطف وکرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت اللطیف کے لطف وکرم کا معاملہ دیکھئے، ساری انسانیت میں سے آپؐ کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں پیدا کیا، پھر ساری انسانیت میں سے بنواسماعیل کو منتخب کیا، پھر بنواسماعیل میں سے قبیلہ قریش کو منتخب کیا، پھر قریش میں خاندانِ بنو ہاشم کا انتخاب کیا، پھر پیدا ہونے سے پہلے والد کا سایہ سر سے اٹھالیا، پھر جب ذرا ہوشمند ہوئے تو ماں کا سایہ سر سے اٹھالیا، اللہ اپنی صفت ربوبیت کے ذریعہ یتیم کی حیثیت سے دادا اور چچا کے ذریعہ پرورش کروایا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ جیسی ایثار وقربانی اور محبت کرنے والی فرمانبردار بیوی اپنی صفت المنان (احسان کرنے والا) سے عطا فرمائی، پھر اولاد نرینہ کو اٹھالیا، اور زید بن حارثہؓ کو منہ بولا بیٹا بنادیا، اس پر مشرکین یہ سمجھ رہے تھے کہ اب آپؐ کے بعد آپؐ کا نام اور کام دنیا میں نہیں چلیں گے، اس لئے کہ نرینہ اولاد نہیں ہے، کمزور، غلام، مسکین وخادم لوگ آپ کے ساتھ ہیں، پھر اپنی صفت ہادی سے چالیس سال میں نبوت عطا کی، جس پر حضرت ابوطالب کے ذریعہ اپنی صفات الحفیظ والحافظ کے ذریعہ حفاظت فرمائی۔

مکہ کے لوگ آپؐ کے دشمن بن جانے کے باوجود اللہ کی حکمت سے آپؐ کے نام اور شہرت کو سفر نہ کرنے کے باوجود دشمنوں ہی سے حج اور عمرہ اور تجارتی قافلوں میں ذکر کروا کر صفت نصیر (مدد کرنے والا) کے ذریعہ خود بخود مشہور کروادیا، بغیر دعوت کے پورے عرب میں آپؐ کا چرچا کروادیا، پھر اللطیف کا لطف وکرم دیکھئے کہ ہجرت سے پہلے معراج جیسی عظیم نعمت سے سرفراز کیا اور اپنی صفت قدیر سے آسمانوں، جنت ودوزخ اور مقامِ اعلیٰ تک کی سیر کرائی، بیت المقدس میں حاضری کروائی، پھر آہستہ آہستہ اپنی صفت الھادی کے

ذریعہ آخری وحی نبوت ملتے ہی قرآن مجید جو تمام کتابوں کی سردار اور نچوڑ ہے' نازل کرنا شروع کردیا، پھر اپنی صفت الوہاب (بہت زیادہ عطا کرنے والا) کے ذریعہ بیت المقدس میں سارے انبیائے کرامؑ کی امامت کروائی اور آپ کو سردارِ انبیاء اور امام الانبیاء بنادیا۔

پھر مدینہ میں اپنی صفت نصیر (مدد کرنے والا) کے ذریعہ انصارؓ کے دل میں آپ کی سچائی کا یقین پیدا کروا کر مدینہ میں اپنی صفت الحفیظ والحافظ سے ٹھکانہ عطا فرمایا، اور ہجرتِ مدینہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قدیر سے کامیاب کروادیا، مدینہ جانے سے پہلے بڑی تعداد میں انصار کو اپنی صفت ہدایت سے ایمان میں داخل کروا کر صفت الوہاب (خوب عطا کرنے والا) کے ذریعہ اپنی صفت قوی اور حفیظ کا اظہار کیا، پھر آہستہ آہستہ پورے مدینہ کو اسلامی ریاست بنا کر آپ کے حوالے کردیا، انصار سے اللہ نے اپنی صفت نصیر (مدد کرنے والا) کے ذریعہ ایسی مدد کروائی کہ وہ جان و مال سے آپؐ پر فدا ہونے لگے اور دشمنوں کے مقابلے آپ کی حفاظت کی خاطر جانیں قربان کرنے لگے۔

پھر آپ ﷺ کو اپنی صفت قدیر اور نافع کے ذریعہ مکہ والوں پر فتح عطا فرمائی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی صفت الھادی کی نقل میں پوری دنیا کے ملکوں کے سربراہوں کو دعوت اسلام دی، اور اللہ نے اپنی صفت ہادی کے ذریعہ آپ ﷺ سے صحابہؓ کی ایسی تربیت فرمائی کہ وہ دنیا کے مثالی انسان بن گئے اور قیامت تک انسانوں کے لئے مثال اور رہبر بن گئے، پھر اللہ نے اپنی صفت الوہاب (بہت زیادہ عطا کرنے والا) کے ذریعہ آپ ﷺ کو آخری نبی کی حیثیت سے خاتم الانبیاء بنایا۔

آپ ﷺ کی زندگی میں اللہ نے **وَ رفعنا لک ذِکْرَک** کے ذریعہ آپ ﷺ کے نام کو بلند کرنے کا وعدہ کیا' تو آہستہ آہستہ سارے عرب میں لوگ ایمان لاکر کلمہ پڑھ کر آج بھی چودہ سو سالوں سے آپؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار کر کے ایمان قبول کرتے ہیں، اور چودہ سو سالوں سے آپ کا نام پوری دنیا میں اذان کے ذریعہ اعلان کیا جاتا ہے اور تا قیامت کیا جاتا رہے گا، اور آپ کے امتی آپ کے نمائندہ بن کر صرف آپ کے رسول ہونے کی

دعوت چودہ سو سالوں سے دے رہے ہیں، چودہ سو سالوں سے ہر روز مسلمان آپ پر اللہ کی رحمت کے نزول اور سلامتی کی دعا درود شریف کے ذریعہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قدیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو قرآن کے ساتھ ساتھ حدیثوں کی شکل میں محفوظ کروادیا، اور پوری زندگی کو سیرت کے واقعات کی شکل میں محفوظ کروادیا، اور سیکڑوں مدارس، خانقاہوں اور مساجد میں بڑے بڑے اہل علم آپؐ کی حدیثوں اور آپ کی سیرت کا درس دیتے ہیں اور لوگوں کو آپ کی اتباع کی تعلیم دیتے ہیں، آپ کے اعمال اور زندگی کے طریقوں پر مسلمان اپنی کامیابی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لئے اپنی صفت الوہاب (خوب عطا کرنے والا) کے ذریعہ ایسی امت عطا کی ہے جو نہ آپ کے رشتہ دار ہیں، نہ آپ کے خاندان اور قبیلے کے ہیں، نہ آپ کی زبان جانتے ہیں، نہ آپ کو دیکھا، مگر ایمان لاکر آپؐ سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ جان و مال سب کچھ آپؐ پر لٹاتے ہیں، آپ کے نمائندے بن کر آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی فکر رکھتے ہیں، یہ سب اللطیف کے لطف وکرم کا نتیجہ ہے جو اپنے خاص بندوں کے ساتھ ایسی مہربانی کرتا ہے۔

ہر سال حاجی حج کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کرکے اپنے ایمان بالرسالت کو پختہ کرتے ہیں، اپنے اپنے مقامات سے آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا خاص لطف وکرم ہے، دنیا کے دوسرے انبیاء کرام کی ساری تعلیمات کا نچوڑ آپ کی تعلیمات میں رکھا گیا، کعبہ اور قرآن کا وارث آپؐ کی امت کو بنایا گیا، اور حشر کے میدان میں آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا اور حشر میں شفاعت کا حق دیا جائے گا، آپ ﷺ کی امت کی صفیں حشر کے میدان میں دیگر انبیاء کی امتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہوں گی، کسی نبی کو اتنی لمبی مدت، نبوت کی نہیں دی گئی، اور امتِ محمدیہ دوسری امتوں پر گواہی دینے والی بنائی گئی، یہ اللطیف کا لطف وکرم اور مہربانی ہے، بیشک وہ بڑا باریک بیں اور باریک نظر رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اَللَّطِیْفُ کے علاوہ اَلْخَبِیْرُ بھی ہے

جس کی وجہ سے وہ اپنی مخلوقات کا ہر لمحہ ہر گھڑی ہر حرکت کی خبر رکھتا ہے، وہ ہر مخلوق کی ابتدا سے اخیر تک کی پوری پوری خبر رکھتا ہے، ہر مخلوق کی فطرت کے تقاضوں کی خبر رکھتا ہے، ان کے کاموں کی نیتوں سے واقف رہتا ہے، اگر وہ مخلوق کی خبر پہلے ہی سے نہ رکھے تو ان کی ربوبیت وحفاظت نہیں کرسکتا، ان کے کاموں سے پہلے ہی سے واقف نہ رہے تو دنیا فساد کے حوالے ہوجاتی اور دنیا کا نظام درہم برہم ہوجاتا، اس لئے ضروری ہے کہ الخبیر ہونے کے ناطے وہ ہر ایک کے شر اور خیر سے واقف رہے۔

انسان کو جب اللہ کی معرفت ان دو صفات سے ہوتی ہے تو وہ نعمتوں اور مصیبتوں دونوں حالتوں میں اللہ پر بھرپور اعتماد و بھروسہ رکھتا ہے اور اللہ کی نعمتوں پر شکر اور مصیبتوں پر صبر اختیار کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ مہربانی اور لطف وکرم کی نقل کرتا ہے۔

تمام پیغمبروں کی زندگی کے اعمال اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اعمال اللہ تعالیٰ کے اسی صفت لطیف کی نقل تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی ہر انسان کے ساتھ مہربانی، نرمی اور لطف و کرم کی وجہ سے لوگ ہمیشہ آپؐ سے چمٹے رہتے اور ہمیشہ چمٹے رہنا چاہتے تھے، قربت چاہتے تھے، بے انتہا محبت کے ساتھ اطاعت کے لئے دوڑتے تھے، یہاں تک کہ جان دینے کے لئے تیار رہتے تھے، آپ ﷺ صرف انسانوں ہی کے ساتھ نرمی نہیں کرتے تھے بلکہ نباتات وجمادات اور جانوروں یہاں تک کہ چیونٹیوں کے ساتھ تک رحم کا سلوک سکھایا۔

حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے نرم انداز سے بات سمجھانے کی تاکید کی، باوجود یہ کہ اللہ اپنی صفات سمیع، بصیر اور علیم وخبیر سے جانتا تھا کہ وہ ظالم اور سرکش ہے، بہت بگڑ گیا ہے، پھر بھی نرمی سے بات کرنے کی تاکید کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور لطف وکرم سے بڑے بڑے مشرکین متاثر ہوکر ایمان قبول کئے، ثمامہ جیسا کٹر دشمن اسلام آپؐ کی مہربانی سے متاثر ہوکر ایمان قبول

کر کے دشمن سے دوست بن گئے۔

منافقین اللہ تعالیٰ کی صفت الخبیر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولتے، جھوٹی قسمیں کھاتے اور مسلمانوں کے پیچھے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں سے اور مشرکین سے مل کر سازشیں اور غلط منصوبے بناتے تھے، وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، عبداللہ بن اُبی نے ایک انصاری اور ایک مہاجر دو صحابہؓ کے درمیان جھگڑے پر انصارِ مدینہ کو ورغلایا تھا کہ مدینہ پہنچ کر تم عزت دار لوگ ہو، بے عزت اور سہارا لئے ہوئے لوگوں کو نکال دیں گے، محض تم ہی لوگوں کی پناہ دینے سے وہ آج تم سے لڑ رہے ہیں، مگر جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو اس نے آپؐ کے سامنے اللہ کو الخبیر نہ سمجھتے ہوئے فوراً اس بات سے جھٹلا دیا، اللہ تعالیٰ نے بعد میں وحی کے ذریعہ اس کی اس بات کی اطلاع دی، مکہ میں مشرکین چونکہ اللہ کو الخبیر نہ جانتے تھے اس لئے خفیہ میٹنگ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور ناکام ہوئے۔

جو انسان بھی اللہ کو الخبیر نہیں سمجھتا اور اس پر ایمان نہیں رکھتا وہ دیگر انسانوں پر جھوٹے الزامات، جھوٹے مقدمات، جھوٹی گواہی اور جھوٹی تہمتیں لگاتا ہے، اور الخبیر نہ سمجھنے کی وجہ سے زنا کرتا، عورتوں کی عصمت وعفت لوٹتا ہے، چوری کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، ظلم وناانصافی کرتا ہے، پڑوسیوں کو ستاتا ہے اور رشتہ داروں کا حق ادا نہیں کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے تین لوگوں کا قصہ بیان کیا، ان میں سے ایک اپنی چچازاد بہن سے زنا کرنے کے لئے قرض اس شرط پر دیا تھا کہ وہ زنا کا موقع دے گی، جب وہ اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا تھا تو لڑکی نے عین موقع پر اللہ سے خوف دلایا اور وہ خود بھی کانپ گئی، اس پر اس شخص نے اللہ کی صفت الخبیر کا احساس کر کے زنا سے دور ہو گیا، گھبرا کر لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

انسان پر اس صفت کا غلبہ ہر وقت رہا تو وہ گناہ کی طرف کبھی مائل نہیں ہوگا انشاءاللہ۔

صفاتِ الٰہی لطیف وخبیر کو نہ جاننے سے منافقانہ صفات پیدا ہوتی ہیں

اللہ تعالیٰ کو الخبیر نہ جاننے سے انسان منافقانہ روش اختیار کرتا ہے، انسانوں میں خاص طور پر منافقانہ اعمال جو پیدا ہوتے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی ان صفات الخبیر' البصیر' السمیع اور علیم بذات الصدور کا عقیدہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتے، اس سے ان کا ظاہر الگ باطن الگ ہوجاتا ہے، دنیا میں بہت سے لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود ان صفات سے غفلت برتتے یا برائے نام زبان کی حد تک ان صفات کا اظہار کرتے، مگر عملی زندگی میں ان کے اعمال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو الخبیر نہیں سمجھتے، ان صفات پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے وہ یا تو منافق بن جاتے یا منافقانہ صفات اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں، اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اللہ کو الخبیر نہ جان کر شیطانی اعمال میں گرفتار رہتے ہیں، منافق کی سب سے بڑی صفات جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا اور لڑائی جھگڑوں میں گالی گلوج کرنا، ان چاروں صفات کا تعلق اللہ کی اس صفت الخبیر (وہ باخبر ہے) سے ہے، دنیا میں انسان جس جگہ نوکری کرتا ہے، وہاں تو اپنے عارضی مالک کی طرف سے کیمرے لگے ہوں تو کوئی غلط کام کرنے اور نافرمانی کرنے کے لئے مالک کے خلاف بات کرنے سے بھی دور رہتا ہے، اور اپنے کو مالک کے احکام کا پابند بنائے رکھتا ہے، مگر دنیا کی زندگی میں اللہ کو اپنی پوری خبر رکھنے والا نہ جان کر کثرت سے اللہ کی بغاوت نافرمانی کرتا ہے، چنانچہ دنیا میں زنا' چوری' غبن' قتل' وعدہ خلافی' امانت میں خیانت' جھوٹ' جھوٹے مقدمے' ناانصافی' گالی گلوج' ناچ گانا بجانا' غیبت' تہمت' حسد' بغض' خلوت کے گناہ، یہ سب اسی صفت الخبیر کا عقیدہ نہ رکھنے کا نتیجہ ہے، کثرت سے حکومتوں کے ساتھ غدّاری اور جاسوسی یا مخبری' دھوکہ دہی' ظاہری دوستی۔

یہ سب اسی صفت الخبیر کے ادراک کا عقیدہ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی تربیت ایسی فرمائی تھی کہ وہ ان تمام جرائم اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک تھے، نہ ظاہر میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرتے اور نہ باطن میں۔

قریش کے مشرکین محمد رسول اللہ ﷺ کو محمد (قابل تعریف) کے بجائے مذمّم (قابل مذمت) کہتے اور رات کے وقت آپ کے راستوں میں گندگی اور کانٹے ڈال دیتے۔

یہود تو اللہ کو الخبیر نہ جاننے کی وجہ سے اپنی اپنی مجالس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرتے، رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹ بولتے، جھوٹی قسمیں کھاتے، دکھانے کے لئے اسلام وایمان قبول کرنے کا دعویٰ کرتے، چنانچہ آپس میں مسلمانوں سے ہمدردی رکھنے والے یہودیوں سے کہتے کہ تمہیں اتنی عقل نہیں کہ تم لوگ وہ باتیں جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں وہ کیوں ظاہر کرتے ہو، ورنہ مسلمان کل قیامت میں تمہارے پروردگار کے پاس انہیں تمہارے خلاف دلیل اور ثبوت کے طور پر پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان ساری باتوں کا خوب علم ہے جو یہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں۔''

یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے تو دلوں میں سخت بغض اور عداوت رکھتے ہوئے بظاہر دوست بنتے، رسول اللہ ﷺ کا ظاہر میں بہت ادب واحترام کرتے مگر در پردہ آپ کے دشمن تھے اور ہیں، اور آپ کی توہین کرنا چاہتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں بیٹھ کر ذُو معنیٰ الفاظ استعمال کرتے تھے، اس پر قرآن نے ایک مثال دی کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ''راعنا'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، عربی زبان میں اس کے معنیٰ ہیں ''ہماری رعایت فرمایئے''، ''ہمارا خیال رکھئے''، اس لحاظ سے یہ لفظ ٹھیک تھا، اس میں گستاخی کے کوئی معنیٰ نہیں تھے، عبرانی زبان جو یہودیوں کی مذہبی زبان ہے اس سے ملتا جلتا لفظ ''عین'' کو ذرا کھینچ کر ''راعینا'' بددعاء اور گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا، عربی میں اس کے معنیٰ جاہل، احمق کے بھی ہیں، عبرانی میں معنیٰ ''ہمارے چرواہے'' کے ہیں، ان کی اصل نیت اس لفظ کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے خراب معنیٰ مراد لینا ہوتا تھا، ان کو سن کر مسلمان بھی غلطی سے یہ لفظ بولتے تو یہود خوش ہو کر مسلمانوں کا پیچھے مذاق اُڑاتے، یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی مجالس میں ہدایت حاصل کی غرض سے نہیں آتے؛ بلکہ تنقید،

مخالفت' یارسول اللہ ﷺ کو ذو معنیٰ الفاظ بول کر بے ادبی کرنے آتے تھے، اور مبہم ومنافقانہ الفاظ استعمال کرتے تھے، ان کا ظاہری مفہوم ایک ہوتا اور اندرونی مفہوم وہ ہوتا تھا جو معنیٰ ان کی مادری زبان عبرانی میں چھپے ہوئے ہوتے تھے۔

اسی طرح وہ **سمعنا و عصینا**. ہم نے آپ کی بات سن لی مگر نیت ہوتی تھی نافرمانی کی، اور گفتگو میں ان الفاظ کا مطلب یہ ظاہر کرتے کہ ہم نے آپ کی بات سن لی اور آپؐ کے مخالفین کی نافرمانی کی، لیکن دل میں اندر یہ مطلب رکھتے کہ ہم نے آپ کی بات سن کر اسی بات کی نافرمانی کی، یا یہ کہ گفتگو کے وقت یہ لفظ اس وقت بولا جاتا جب یہ کہنا ہوتا کہ تم ہماری بات سنو تو ہم تمہاری بات سنیں گے۔

دوسرے الفاظ وہ یہ کہتے تھے کہ **اسمع غیر مسمعٍ** آپ ہماری سنیں' خدا کرے آپ کو کوئی بات سنائی نہ جائے''، ظاہری طور پر وہ یہ دعاء دیتے تھے کہ آپ کو کوئی ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو، لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا کہ خدا کرے آپ کو ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کو خوش کرے۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کی ان حرکتوں کی وجہ سے مسلمانوں کو ایسے الفاظ استعمال کرنے سے منع کر دیا، اور **راعنا** کے بجائے **انظرنا** کہنے کی تعلیم دی، یعنی ہماری طرف توجہ فرمایئے' یا ذرا ہمیں سمجھ لینے دیجئے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں آتے تو ''سلام علیکم'' کی جگہ ''سام علیکم'' کہتے' جس کے معنیٰ ہیں ''تم پر موت آئے''، کعب بن اشرف اور حی بن اخطب جنگ احد کے بعد مکہ جا کر ابوسفیان کو مدینہ پر حملہ کی خفیہ دعوت دی اور ساتھ دینے کا وعدہ کیا، اس پر ابوسفیان نے سوال کیا کہ کیا محمد جو دین پیش کر رہے ہیں وہ عمدہ اور صحیح ہے یا ہم جس مذہب پر ہیں وہ صحیح ہے؟ تو ان لوگوں نے اسلام کے مقابلے مشرکین کے مذہب کو صحیح اور اچھا کہا، اس پر ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لئے بتوں کو سجدہ کرنے کو کہا، تو یہ دونوں نے بتوں کو سجدہ بھی کیا، انسان جب اللہ کو الخبیر نہ سمجھے تو اسی قسم کے شیطانی اعمال کرتا ہے۔

یہود نے اللہ تعالیٰ کو الخبیر نہ جاننے کی وجہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا، اور حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنا چاہا، اور حضرت موسیٰؑ کے بعد کئی نبیوں کو قتل کیا، اور حضرت موسیٰؑ کو کئی باتوں میں اذیت پہنچائی، اور تورات کے کئی احکام بدل ڈالے، قارون نے بھی اللہ کو الخبیر نہ جان کر زنا کا جھوٹا الزام حضرت موسیٰؑ پر لگایا، یہ لوگ تورات کے قانون سے سزا ملنے کا احساس رکھ کر جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلامی احکام سے کچھ فائدہ ملنے کی امید سے مقدمات لاتے تھے یا نقصان ہونے کے اندیشہ پر نہیں لاتے تھے، عربوں کا مال زبردستی غلط طریقوں سے قبضہ کرنے کو جائز سمجھتے تھے، زنا کے قانون کو بدل ڈالا۔

دوسری طرف منافقوں کا بھی بہت خراب حال تھا، ایک منافق اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا، منافق نے فیصلہ کے لئے رسول ﷺ کے بجائے کعب بن اشرف کے پاس چلنے کو کہا، یہودی نہ مانا اور رسول ﷺ کے پاس مقدمہ پیش کر دیا، حضور ﷺ نے انصاف کی خاطر مسلمان منافق کے خلاف فیصلہ دیا، اس پر منافق نے فیصلہ کو نہ مان کر حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ لے گیا، یہودی نے سارا قصہ سنا دیا، اس پر حضرت عمرؓ نے منافق کا قصہ تمام کر دیا۔

بنو ابیرق کا ایک منافق بشیر نے ایک صحابی حضرت رفاعہؓ کے گھر سے آٹے کی بوری اور ہتھیار چوری کیا، اور جب چوری کا الزام اس پر آنے لگا تو رات کے وقت کچھ آٹا ایک یہودی کے گھر تک گراتے ہوئے ہتھیار بھی اس کے گھر پھینک کر یہ ظاہر کیا کہ چوری یہودی نے کی، اس کے خاندان کے بعض انصاری لوگوں نے رات کے وقت مشورہ کر کے اپنے آدمی کو بچانا چاہا اور رسول اللہ ﷺ پر زور دیا کہ ہم آپ کے خیر خواہ ہیں، ہمارے آدمی نے چوری نہیں کی، اس کے بجائے یہودی کو چور ثابت کرنے کی کوشش کی، اللہ نے فیصلہ سے پہلے وحی کے ذریعہ بشیر کی چوری کی حرکت کھول دی اور واقعہ کی سچائی کو ظاہر کر دیا، کہا کہ اگر دنیا میں تم لوگ غلط فیصلہ کروانے میں کامیاب ہو بھی گئے تو آخرت میں اس جھوٹ کی تائید کیسے کرو گے؟

اس واقعہ کے ذریعہ دنیا میں تمام جھوٹی وکالت کرنے والوں کو بھی یہ تعلیم دی گئی کہ

اللہ تعالیٰ کو الخبیر جان کر وکالت کرو، اس انسان کی وکالت کرنا جائز نہیں جس کا جرم معلوم ہو، یا جو ملزم حقیقت میں ملزم ہو، جھوٹی وکالت سے زیادہ سے زیادہ دنیا میں فائدہ پہنچا سکتے ہو مگر آخرت میں اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے، وہاں کسی کی جھوٹی وکالت وگواہی نہیں چل سکتی۔

مدینہ میں منافق عبداللہ بن ابی جمعہ کے دن مسجد میں ایک خاص جگہ بیٹھا کرتا تھا، حضور اکرم ﷺ خطبہ کے لئے بیٹھنے سے پہلے بظاہر دیکھاوے کے لئے کھڑے ہو کر لوگوں سے بلند آواز سے کہتا ''اے لوگو! یہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے ان کے ذریعہ تم کو عزت وعظمت عطا کی ہے، ان کی مدد اور نصرت کرو، اور ان کا کہا سنو اور مانو''، یہ کہہ کر بیٹھ جاتا، حضور ﷺ کے مدینہ میں آنے کے بعد لوگوں کے جھکاؤ کی وجہ سے اس کا ہمیشہ یہی عمل رہا، مگر احد کی جنگ کے وقت اس کی منافقت پوری طرح کھل گئی، وہ اپنے تین سو لوگوں کو لے کر الگ ہو گیا تھا، مگر غزوۂ احد کے بعد بھی اس نے پھر مسجد میں وہی دکھاوے والی حرکت کی اور معمول کے مطابق اسی طرح کی تقریر کرنا چاہا، پیچھے سے صحابہؓ نے اس کے کپڑے پکڑ کر کھینچے اور کہا ''او دشمنِ خدا! بیٹھ جا، تو اس کا اہل نہیں، تو نے جو حرکت کی ہے وہ تجھے معلوم ہے، اس پر وہ لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے مسجد کے دروازے کے قریب کھڑے ہو کر بڑبڑانے لگا کہ میں محمد کی مدد اور ان کے معاملہ کو مضبوط کرنے کی غرض سے اٹھا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے لوگ سمجھ رہے ہیں کہ گویا میں نے کوئی بات غلط کہہ دی ہے، آنے والوں سے کہا کہ میں نے محمدؐ کی تائید میں بات کی، تو ان کے ساتھی مجھ پر جھپٹ پڑے، مجھے کھینچا اور بُرا بھلا کہنے لگے، صحابہؓ نے کہا: تم واپس چلو شاید حضور ﷺ تمہارے لئے دعاء مغفرت کر دیں گے، اس نے انکار کیا کہ مجھے ان کی دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں ہے۔

☆ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے اپنے چچا کی جائیداد حاصل کرنے کے لئے اس کی لڑکی کا رشتہ مانگا، انکار کرنے پر چچا کو قتل کر دیا اور اللہ کو خبیر نہ جان کر قتل کا الزام بے قصور لوگوں پر لگا دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایک گائے ذبح کر کے قاتل کا پتہ معلوم کرنے کو کہا، جب گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول پر ڈالا گیا

تو وہ کچھ دیر کے لئے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلا دیا، مگر اللہ کی قدرت کی لطافت دیکھئے کہ اسی گوشت کے ٹکڑے میں اللہ نے گائے کو دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھی۔

☆ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ اللہ کو الخبیر نہ جان کر ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کئے اور تاویلات کے ساتھ مچھلی کا شکار مختلف بہانوں سے کئے، اس پر اللہ کے عذاب میں بندر بنا کر ہلاک کر دئے گئے۔

☆ مؤمن غیب پر ایمان رکھ کر اللہ کو دیکھے بغیر اللہ پر اس طرح ایمان رکھتا ہے جیسے مشاہدہ پر رکھا جاتا ہے، چنانچہ قیامت کے دن غیر مسلم کا اللہ کی عدالت میں جو حال ہوگا مؤمن کا اس دنیا میں بغیر دیکھے اللہ کی صفت الخبیر کی وجہ سے وہی حال ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ قوم صالح نے پہاڑ سے اونٹنی کے نکلنے کے باوجود اللہ کی قدرت پر یقین نہ کر کے اللہ کو الخبیر نہ جانا، انہوں نے اونٹنی اور اس کے بچے کو قتل کر دیا، اس پر اللہ کے عذاب سے ہلاک کر دئے گئے، اسی طرح قومِ لوط نے اللہ کو الخبیر نہ جان کر پیغمبر کے منع کرنے کے باوجود برائی میں مبتلا رہے اور اللہ کے عذاب سے ہلاک کر دئے گئے۔

☆ زلیخا کو اللہ کے الخبیر ہونے کا تصور نہیں تھا، اس نے نڈر بن کر حضرت یوسفؑ کو گناہ میں پھنسانا چاہا، اللہ نے حضرت یوسفؑ پر اپنے الخبیر دیکھنے اور جاننے والے کا برہان ڈال کر حضرت یوسفؑ کو بچالیا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سفر کے دوران ایک چرواہے کو آزمانے کے لئے کہا کہ ایک بکری ہمیں فروخت کر دو، چرواہے نے کہا میں ان کا مالک نہیں، انہوں نے کہا مالک کو کیا پتہ ہوگا؟ کہہ دینا بھیڑیا کھا گیا، چرواہے نے کہا: مالک کو اگر پتہ نہیں ہوگا تو کیا ہوا اللہ کو تو پتہ ہوگا، وہ پوری خبر رکھتا ہے۔

☆ جنگ تبوک کے موقع پر منافقین غریب معذور صحابہ کو محنت کر کے فی سبیل اللہ اپنی استطاعت کے مطابق مال دینے پر منافقین ان کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی اس امداد سے رومیوں کو شکست ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے تبوک سے واپس آنے پر منافقین کی منافقت کھل گئی، وہ حضور ﷺ کے سامنے آ آ کر اللہ تعالیٰ کو الخبیر نہ جانتے ہوئے جنگ میں شریک نہ ہونے کے جھوٹے بہانے بنا کر رخصت حاصل کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا، ان کے برعکس جو صحابہؓ جنگ میں نہیں شریک ہوئے، خاص طور پر حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت ہلال بن امیہؓ اور حضرت مرارہ بن ربیعؓ نے اللہ کو الخبیر جان کر شریک نہ ہونے کے جھوٹے بہانے نہیں بنائے، اور کہا کہ ہم جھوٹ بول کر رخصت حاصل کر سکتے تھے، مگر جھوٹ نہیں بولیں گے، حالانکہ بعض لوگوں نے ان کو کچھ بہانہ بنا کر چھوٹ حاصل کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا، مگر انہوں نے اللہ کو الخبیر جان کر سچ سچ اپنی کوتاہیوں اور سستی و کاہلی کا اعتراف کیا، اور اللہ سے توبہ کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ پچاس دنوں بعد قبول فرما کر معاف کیا، ان پچاس دنوں میں وہ سچ بولنے کی وجہ سے سخت آزمائش میں مبتلا کئے گئے، مگر وہ نہ اسلام سے منحرف ہوئے اور نہ رسول اللہ ﷺ سے دور ہوئے۔

منافقین نے شر پیدا کرنے کے لئے مسجد قباء کے قریب اللہ کو الخبیر نہ جان کر ایک عبادت گاہ بنائی اور یہ کہا کہ معذور اور ضعیف لوگوں کی سہولت کے لئے یہ مسجد ہم نے بنائی ہے، حضور ﷺ سے تبوک جانے سے پہلے وہاں نماز ادا کرنے کی درخواست کی، آپ ﷺ نے مصروفیت کی وجہ سے واپسی پر آنے کا ارادہ ظاہر کیا، مگر منافقین کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اللہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، وہ الخبیر بھی ہے اور علیم بذات الصدور بھی ہے، حضور ﷺ کو واپسی میں مدینہ سے پہلے وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ یہ عبادت گاہ بدنیتی اور نفاق پیدا کرنے کے لئے بنائی گئی ہے، تو آپ ﷺ نے دو صحابہؓ کو بھیج کر اس مسجد کو نذر آتش کر کے منہدم کروا دیا۔

اسی طرح یہود اللہ کو الخبیر نہ جان کر رسول اللہ ﷺ کو غفلت میں بلا کر ایک مقام پر بٹھا کر اوپر سے پتھر گرا کر قتل کرنا چاہتے تھے، مگر اللہ نے اس کی اطلاع بھی حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ دیدی اور آپؐ وہاں سے فوراً اُٹھ کر چلے گئے۔

☆☆☆☆☆